

پھول گرتے ہیں

ناول

اے حمید

پھول گرتے ہیں

ناول

اے حمید



شہر کی مشرقی جانب ریلوے پل کے دامن میں ایک گنجان بستی ہے جس کی گلیاں تاریک اور پر پیچ ہیں۔ بجلی کے کھمبوں کے اکثر بلب ٹوٹے ہوئے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں ان پر مکڑیوں نے جالے بن رکھے ہیں اور شام کو جب اندھیرا بڑھنے لگتا ہے تو ان کی کمزور روشنی گنجان گلیوں کو پوری طرح روشن نہیں کر سکتی۔ مکانوں کے اوپر چولھوں سے اٹھنے والا دھواں پھیل جاتا ہے اور گلیوں میں اندھیرا جال پھیلا دیتا ہے۔ گرمیوں میں یہاں حبس کے مارے دم نکلتا ہے۔ دوپہر کو تیز دھوپ پڑتی ہے اور رات کو قریبی ترکاریوں کے کھیتوں میں سے آنے والے مچھروں کی یلغار سونے نہیں دیتی۔ راتوں کو لوگ بوسیدہ چارپائیاں گلیوں میں بچھائے پاس پاس لیٹے سو رہے ہوتے ہیں' اور کتے ان کے پاس رات رات بھر بھونکتے رہتے ہیں۔ سردیوں میں یہ گلیاں راتوں کو ویران ہو جاتی ہیں اور صرف چوکیدار لٹھ اور لالٹین ہاتھ میں لئے کسی وقت ''جاگتے رہو'' کی صدا بلند کرتا واں سے گزر جاتا ہے۔ یہاں زیادہ تر مزدور' کاریگر اور غریب لوگ رہتے ہیں۔ کچھ گھرانے ریلوے کلرکوں کے ہیں۔

ان ہی گھرانوں میں ایک گھرانہ وحید کا بھی ہے۔ وحید کا مکان اسی قسم کی ایک گلی کے کونے میں واقع ہے۔ اک منزلہ مکان ہے۔ جس کا صحن کچا ہے' بیچ میں ایک دیوار ہے جو دوسرے مکان کے صحن کو اس مکان کے صحن سے جدا کرتی ہے۔ اس دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی میں سے ساتھ والے مکان والے ضرورت کے وقت بات چیت کر لیتے ہیں۔ ساتھ والے مکان میں ایک سکول ماسٹر رہتا ہے۔ جس کی اکلوتی بیٹی رضیہ جوان اور خوش شکل ہے۔ رضیہ کی ماں فوت ہو چکی ہے۔ کوئی بہن بھائی نہیں۔ اپنے ادھیڑ عمر باپ کے سایہ عاطفت میں بڑی خوشی اور سکون کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ گھر میں اس نے ایک چھوٹا سا کشیدہ کاری کا سکول بنا رکھا ہے جہاں دن میں دو تین گھنٹے وہ محلے کی نوجوان لڑکیوں کو کشیدہ کاری اور دستکاری کی تعلیم دیتی ہے۔

وحید کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ اور وہ رضیہ کے ساتھ والے مکان میں اپنی والدہ' چھوٹی بہن عذرا اور چھوٹے بھائی جیدی کے ساتھ رہ رہا ہے' وہ ریلوے کے دفتر میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہے اور اکیلا سارے کنبے کا خرچ چلا رہا ہے۔ وحید پاکستان بننے سے پہلے فیروز پور میں رہتا تھا۔ جہاں اس کا باپ سرکاری ٹھیکیدار تھا۔ لیکن پاکستان میں آ کر وحید کے باپ کا انتقال ہو گیا اور ساری ذمے داری وحید پر آن پڑی۔

وحید جوان اور خوش شکل ہے۔ ستائیس برس کی عمر ہوگی۔ بال سیاہ اور سیدھے ہیں۔ چھوٹی بہن عذرا بھی جوان ہو چکی ہے اور وحید کو اس کی شادی کا فکر بھی کھائے جا رہا ہے۔ جیدی سب سے چھوٹا ہے۔ گیارہ بارہ برس کا ہوگا۔ چھٹی جماعت میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ بڑا شرارتی اور نٹ کھٹ ہے۔ پڑھائی میں بھی بڑا تیز ہے۔ عذرا خوبصورت ناک نقشے کی دبلی پتلی لڑکی ہے جو سارا دن گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد اسے سکول سے اٹھا لیا گیا تھا۔ گھر پر رہ کر اس نے دستکاری اور دوسرے امور خانہ داری سیکھ لئے ہیں۔ رضیہ اس کی بڑی اچھی سہیلی ہے اور دونوں اکثر فرصت کے وقت صحن کی دیوار والی کھڑکی میں کھڑی ہو کر دیر تک باتیں کیا کرتی ہیں۔ وحید کے دوسرے رشتہ دار کافی امیر ہیں۔ انہوں نے پاکستان میں آکر جائز و ناجائز طریقے سے کافی دولت کمائی۔ ہندو سکھوں کے بھرے پرے گھروں پر قبضہ کر لیا۔ مال نکال نکال کر چوری چھپے فروخت کر دیا۔ اپنی ساکھ بنا کر کاروبار شروع کر دیا۔ اور اب لاکھوں میں کھیل رہے تھے۔ ان ہی رشتے داروں میں وحید کا ایک چچا بھی تھا اس کا نام خواجہ وجیع الدین ہے۔ خواجہ صاحب کی بیوی یعنی وحید کی چچی اور چچا زاد بہنیں وحید کے گھر والوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ مگر خواجہ صاحب کو ان باتوں کی پروا نہیں تھی۔ وہ کسی زمانے میں فوج میں بھی رہ چکے تھے۔ گلبرگ میں ان کی اپنی کوٹھی تھی' کار تھی۔ بڑا لڑکا کاروبار کرتا تھا اور گھر کا سارا خرچ اسی کے ذمے تھا۔

خواجہ صاحب کوٹھی کے ایک کمرے میں رہتے تھے اور گھر والوں سے ان کا زیادہ تعلق نہیں تھا۔ سردیوں میں وہ آتش دان کے سامنے صوفے پر بیٹھے پرانے اخبارات یا بوسیدہ کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہتے۔ پائپ ان کے منہ میں ہوتا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آتشدان میں تھوک دیا کرتے۔ ساٹھ ستر برس کے آدمی تھے۔ سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ چہرہ جھریوں سے بھر گیا تھا۔ خواجہ صاحب کی پہلی بیوی مر چکی ہے۔ دوسری بیوی ایک ادھیڑ عمر کی عورت ہے جو پہلے ایک طوائف تھی مگر خواجہ صاحب کے نکاح میں آنے کے بعد شریف عورت بن کر گھر میں بیٹھ گئی۔ اس کی ایک لڑکی ہے جسے وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان دنوں یہ لڑکی چھوٹی سی تھی مگر اب جوان ہو چکی ہے۔ اس کا نام نیلم ہے۔ وحید جب کبھی اپنے چچا سے ملنے گلبرگ جاتا ہے تو وہ اپنی چچی یا نیلم سے کبھی نہیں ملتا۔ اگر کبھی آمنا سامنا ہو بھی جاتا ہے تو وحید انہیں کبھی سلام نہیں کرتا۔

یہ لوگ بھی وحید کو پسند نہیں کرتے اور لوگوں پر یہی ظاہر کرتے ہیں کہ وحید ان کا رشتہ دار نہیں ہے بلکہ خواجہ صاحب کے ایک پرانے دوست کا لڑکا ہے اور خواجہ صاحب اپنی پرانی دوستی نبھا رہے ہیں۔ لیکن وحید نے ان باتوں کا کبھی برا نہیں مانا۔ کیونکہ خواجہ صاحب اس سے بڑی محبت کرتے ہیں اور اسے اپنے بھائی کی نشانی سمجھتے ہیں اور وحید سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔

شام کا وقت ہے۔سردیوں کا موسم ہے۔وحید ابھی دفتر سے آیا ہے وہ اپنا سائیکل لئے گلی میں سے گزرتا گھر کی طرف چلا آرہا ہے۔گھر میں اس کی والدہ باورچی خانے میں روٹی پکا رہی ہے۔چھوٹی بہن عذرا دوسری انگیٹھی پر چائے بنارہی ہے اور جیدی اسے تنگ کر رہا ہے۔وہ بار بار پیالی میں ابلا ہوا آلو ڈال کر بھاگ جاتا ہے'اس پر عذرا اسے ڈانتی ہے۔

''بھائی جان کو آلینے دو۔تمہیں ابھی ٹھیک کراتی ہوں۔''

جیدی صحن میں کھڑا اس کا منہ چڑا رہا ہے۔امی ان دونوں کو منع کر رہی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا نہ کریں۔

''عذرا میں نے تمہیں کتنی بار کہا کہ اس کی باتوں پر دھیان نہ دیا کرو اور اپنا کام کرتی رہا کرو۔''

''امی میں کیا کروں'وہ جو بار بار آکر تنگ کرتا ہے۔''

اتنے میں ڈیوڑھی کا دروازہ کھلتا ہے اور اندر وحید کے سائیکل رکھنے کی آواز آتی ہے۔وحید کمرے میں داخل ہو کر ماں کو سلام کرتا ہے۔عذرا جیدی کی شکایت لگاتی ہے۔وحید جیدی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتا ہے۔

''ارے عذرا کو تنگ مت کیا کرو یار''

عذرا آنکھوں ہی آنکھوں میں جیدی کو ڈانتی ہے۔جیدی ناک سکوڑ کر اس کا مذاق اڑاتا ہے۔عذرا مسکرا دیتی ہے۔وحید کی والدہ کھانے کے بارے میں پوچھتی ہے۔

''کھانا چائے کے بعد کھاؤ گے نا بیٹا؟''

وحید نے چارپائی پر بیٹھ کر کہا۔

''ہاں ماں''

اتنی دیر میں عذرا پرانی سی میز پر چائے کے برتن ایک چینک اور گجرات کی دو تین پیالیاں لگا چکی تھی۔اس نے پوچھا۔

''چائے میں چینی کم ڈالوں بھائی جان؟''

''ہاں بھئی ابھی میں کم چینی ہی پی رہا ہوں۔''

اچانک سامنے صحن والی دیوار کی کھڑکی کھلتی ہے اور رضیہ کا مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوتا ہے وہ عذرا کو آواز دیتی ہے۔عذرا بھاگ کر اس کے پاس جاتی ہے۔وحید نے کنکھیوں سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔رضیہ نے بھی وحید کو دیکھ لیا تھا۔بلکہ اس نے تو اپنی کھڑکی کے ساتھ لگ کر اسے گلی میں سے گزرتے بھی دیکھ لیا تھا۔رضیہ کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔جب عذرا اس کے

قریب پہنچی تو رضیہ نے آٹے سے بھرا ہوا پیالہ اسے پکڑا دیا۔عذرا نے ہنس کر کہا۔

"اتنی جلدی آخر کیوں؟"

رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"نا بابا آٹے دال میں ادھار نہیں ہونا چاہیے"

وحید نے اندر سے کہا۔

"بھئی اب تو راشن کا زمانہ ہے"

عذرا آٹے کا پیالہ لے کر اندر آ گئی۔رضیہ نے ایک بار پھر مسکرا کر وحید کی طرف دیکھا اور کھڑکی بند کر دی۔اتنے میں دروازے کا بوریا ایک طرف ہٹا اور وحید کا دوست اسلم اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم"

اسلم وحید کا لنگوٹیا یار ہے۔دونوں فیروز پور میں بھی ایک دوسرے کے جگری یار ہوا کرتے تھے۔یہاں آ کر بھی انہوں نے ایک ہی محلے میں مکان لیا اور رہنے لگے۔اسلم کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے اور وہ اپنی بیوہ بڑی بہن کے ہاں رہتا تھا۔وہ لنڈے بازار میں پرانے گرم کوٹوں کا دھندا کرتا تھا اور اسے صرف ورزش کرنے اور دودھ پینے کا ہی شوق تھا۔اسلم اندر داخل ہو کر وحید کی والدہ کو سلام کرتا ہے۔وحید کے پاس چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے۔عذرا چائے کی ایک اور پیالی وہاں رکھ دیتی ہے۔عذرا اسلم کے لئے بھی چائے بناتی ہے۔دونوں چائے پیتے ہوئے باتیں شروع کر دیتے ہیں۔وحید اسلم سے کہتا ہے۔

"یار آج اخبار میں لکھا تھا کہ ایک آدمی کا معمہ نکل آیا اور اسے دو لاکھ روپے انعام میں ملے۔غریب آدمی کو ایک دم اتنی رقم مل جائے تو وہ پاگل ہو جائے۔

اسلم نے کہا۔

"تم بھی معمے حل کرا کرو"

وحید نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی دولت کا میں قائل نہیں ہوں اور پھر اگر مجھے اتنا روپیہ مل بھی جائے تو میں لوگوں کی خدمت پر صرف کر دوں"

"کیا خدمت کرو گے تم؟"

''میں سب سے پہلے اس گلی میں بجلی کے نئے بلب لگواؤں۔ پھر اس کا فرش پختہ کراؤں۔اس کے بعد محلے میں ایک تفریحی پارک بنواؤں جہاں شام کو محلے والوں کے لڑکے آ کر کھیلا کریں۔ پھر ایک ہسپتال بنواؤں۔۔۔۔۔۔''

اسلم نے بات کاٹ کر کہا

''اور پھر ایک دھوبی گھاٹ بنواؤں''

عذرا اور وحید کی والدہ ہنس پڑیں۔اسلم نے کہا۔

''ارے بھائی تم نے باڈی بلڈنگ کلب کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔اس وقت دنیا کو ہسپتال کی نہیں صرف ایک باڈی بلڈنگ کلب کی ضرورت ہے۔لوگوں کو اپنی باڈیاں بنانی چاہئیں۔''

وحید ہنس پڑا۔

''اچھا بھائی اگر میرا انعام آ گیا تو تمہاری باڈی بلڈنگ کلب میں سب سے پہلے بنواؤں گا۔''

سب لوگ ہنسنے لگے۔اسلم نے جیب سے سگریٹ نکال کر ایک خود سلگایا اور ایک وحید کو دیا۔کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اسلم نے سلام کیا اور اٹھ کر چلا گیا۔

رات کے کھانے کے بعد وحید' عذرا اور جیدی کے ساتھ کیرم بورڈ کھیلتا رہا۔پھر صبح کا اخبار پڑھنے لگا اور آخر سو گیا۔رات گہری ہو گئی تھی۔سردیوں کی پرسکون سرد رات۔۔۔۔۔۔چاروں طرف خاموشی تھی۔صرف سٹیشن کی جانب سے انجن کے شنٹ کرنے کی آواز آ جاتی تھی۔یا پھر ریلوے لائن یا ورکشاپ میں لوہا کوٹا جا رہا تھا۔نیچے گلی بالکل سنسان تھی۔کسی وقت پہرے دار کی آواز گونج جاتی تھی۔وحید آہستہ آہستہ باہر نکلا۔ گلے کے گرد گلوبند لپیٹا پوری آستینوں والا سویٹر پہنا اور چپکے سے باہر صحن میں نکل آیا۔گھر کے دوسرے افراد گہری نیند سو رہے تھے۔

صحن میں آ کر وحید نے آنگن والی کھڑکی کے پٹ پر انگلی سے تین بار ٹک ٹک کیا۔دوسری جانب سے کسی نے کھڑکی کھول دی۔ وحید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''رضیہ''

رضیہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور سرگوشی میں کہا۔

''شی۔۔۔۔۔۔!کوئی سن لے گا''

''تو پھر چھت پر آؤ''

''بڑے ضدی ہو تم''

رضیہ نے مسکرا کر کھڑکی بند کر دی اور گرم چادر سے جسم لپیٹے سمٹی سمٹائی سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی۔ وحید اپنی چھت کی دیوار پھلانگ کر رضیہ کے پاس چلا گیا۔ بستی کے ہر مکان پر اندھیرا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پرلی جانب کھیتوں میں تاریکی تھی۔ آسمان پر باریک سا چاند چمک رہا تھا اور ریلوے لائن پر سگنل کی سرخ بتی جل رہی تھی۔ سردی اور کہر کی وجہ سے فضا دھندلی ہو رہی تھی۔

چھت پر ایک چھپر کھٹ تھا۔ دونوں اس چھپر کھٹ کے نیچے جا کر ایک پرانی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ جہاں بوسیدہ لحاف پڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔

وحید نے رضیہ کا ہاتھ' جو ٹھنڈا ہو رہا تھا' تھام لیا اور اسے اپنے ہاتھوں میں گرم کرتے ہوئے بولا۔

''رضیہ ہم کب تک اس طرح ملتے رہیں گے؟''

رضیہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

''جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی''

وحید نے کہا۔

''رضیہ شادی کے لئے صرف ماں باپ کی مرضی ہی نہیں بلکہ پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔''

''مجھے پیسے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف وحید چاہیے اور کچھ نہیں۔''

''اور وحید کو شادی کے لئے روپیہ چاہیے۔ تم جانتی ہو میری بہن جوان ہو گئی ہے۔ جب تم میں اس کی شادی کے فرض سے فارغ نہیں ہو جاؤں گا اپنی شادی کیسے کر سکوں گا''

رضیہ ایک دم اداس ہو گئی۔ وحید نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''فکر نہ کرو رضیہ! میں ان تمام مشکلات پر سے گزر جاؤں گا۔ اگر تمہارے باپ نے ہاں کر دی تو سب سے پہلے عذرا کی شادی کروں گا اور پھر اپنا بیاہ رچالوں گا۔ اگرچہ ابھی ہماری راہ میں دیوار حائل ہے' مگر میں اس دیوار کو توڑ کر گزر جاؤں گا''

رضیہ نے کہا۔

''اس دنیا میں محبت کرنے والوں سے زیادہ خوش قسمت اور کوئی نہیں ہوتا وحید! محبت اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔''

وحید نے سنجیدہ سا منہ بنا کر کہا۔

''اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت دولت ہے رضیہ۔صرف دولت! اگر دولت ہو تو محبت اپنے آپ پیدا ہو جاتی ہے اور اگر دولت نہ ہو تو بڑی سے بڑی محبت کا مینار ریت کی دیوار بن کر زمین پر آن گرتا ہے۔''

رضیہ نے کہا۔

''میں اسے کبھی نہیں مانتی۔محبت کرنے والے روپے پیسے سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''صرف اس وقت تک جب تک کہ ان کا بیاہ نہیں ہو جاتا۔شادی کے بعد انہیں محبت سے بے نیاز ہو کر روپیہ کمانا پڑتا ہے اور روپے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

تمہارے خیالات بڑے عجیب ہیں وحید! کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم بالکل غلط انداز سے سوچتے ہو۔''

وحید نے رضیہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''شادی کے بعد تم اس نتیجے پر پہنچو گی کہ وحید ٹھیک سوچتا تھا''

رضیہ نے اپنا چہرہ وحید کی بانہوں میں چھپا کر کہا۔

''کاش وہ دن جلد آ جائے''

''تمہارا کیا خیال ہے تمہارے والد صاحب یہ رشتہ منظور کر لیں گے؟''

''میرے ابا جی مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔انہیں میری خوشی کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔میرا خیال ہے وہ اس رشتے پر اعتراض نہیں کریں گے''

''لیکن رضیہ میں اگلے سال تو عذرا کا بیاہ کر سکوں گا۔اپنی شادی کے لئے روپے اکٹھے کرنے کے لئے مجھے مزید دو سال کی مہلت درکار ہوگی۔''

''ڈرتی ہوں کہیں اس دوران میں کسی دوسری جگہ سے رشتہ نہ آ جائے۔''

''تم انکار کر دینا''

''رضیہ نے آہ بھر کر کہا۔

''وہ تو ظاہر ہے مجھے کرنا ہی پڑے گا۔لیکن وحید تم مجھ سے اتنا انتظار کیوں کروا رہے ہو؟''

''اس لئے رضیہ کہ میں غریب اور مجبور ہوں۔ مجھ پر محبت کے علاوہ اور بھی کئی ذمہ داریاں ہیں۔ میں صرف تم سے محبت ہی نہیں کرتا بلکہ نوکری بھی کرتا ہوں۔اپنی بہن عذرا کی شادی کے لئے بھی فکر کرتا ہوں۔ ہر ماہ تھوڑا سا روپیہ بھی جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو آج تک نہیں ہو سکا۔''

رضیہ کی آنکھوں میں آنسوں آگئے۔وحید نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''جی ہلکا نہ کرو رضیہ! میں تمہارے لئے وہ سب کچھ کروں گا جو میں کر سکا۔ میں تمہیں ایک روز ضرور بیاہ کر لاؤں گا۔''

رضیہ نے روتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو صرف اس بات کا گلہ ہے وحید کہ تم نے آج تک کبھی مجھ سے پیار محبت کی باتیں نہیں کیں۔تم مجھے جب بھی ملے ہو تم نے روپے پیسے اور غریبی اور امیری کی ہی بات کی ہے۔بھلا مجھے ان باتوں سے کیا لینا دینا' میں تو صرف تمہاری محبت کی بھوکی ہوں وحید۔''

وحید نے رضیہ کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے رضیہ' مگر میں مجبور ہوں۔ اقتصادی پریشانیوں میں گھر کر محبت کے نغمے نہیں گا سکتا۔جب میرا پیٹ بھوکا ہو میں اسے تمہاری محبت کی دس ہزار تھالیوں سے بھی نہیں بھر سکتا۔پھر بھی میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔''

اس کے بعد وحید نے رضیہ کا منہ چوما اور چھت کی دیوار پھلانگ کر اپنے مکان کی چھت پر آگیا۔اس وقت چوکیدار زمین پر لٹھ مار کر ''جاگتے رہو'' کی رٹ لگاتا گزر رہا تھا۔

نیلم بڑی ماڈرن' فیشن ایبل اور فلرٹ قسم کی لڑکی تھی۔

نیلم نے اپنے ماں باپ کی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ماں نے اسے ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔وہ خود طوائف رہ چکی تھی۔اگرچہ وہ ایک شریف آدمی کے گھر میں آکر بیٹھ گئی تھی لیکن اس کی پرانی فطرت نہیں بدلی تھی۔اس کی یہ فطرت پختہ ہو گئی تھی۔وہ آزادی سے نیلم کو ہر قسم کی سوسائٹی میں گھومنے پھرنے کا موقع دیتی۔باقی رہا باپ کا سوال تو نیلم خواجہ صاحب کی بیٹی نہیں تھی۔بلکہ وہ اس کی طوائف بیوی کے گناہ کی نشانی تھی۔پھر بھی وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نیلم اتنی آزادی سے لوگوں میں گھومتی پھرے۔لیکن وہ اسے روکنے سے معذور تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ گوشہ نشین ہو کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ان کا بڑا بیٹا خالص کاروباری آدمی تھا اور اسے اپنے کاروبار سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ کسی دوسری بات کی طرف دھیان دے۔علاوہ ازیں وہ خود بھی فیشن کی تمام نعمتوں کا

پرستار تھا اور ہر شام کام سے فارغ ہو کر اپنے دوستوں کے ہمراہ لڑکیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اس کا معمول تھا۔

نیلم ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ہوٹلوں' پارٹیوں' نائٹ کلبوں میں اپنے چاہنے والوں کے درمیان تتلی کی طرح چہکا کرتی۔ اسے رقص اور موسیقی سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ اس نے شہر کے کئی ثقافتی پروگراموں میں اپنے رقص کا مظاہرہ کیا تھا وہ اچھے سے اچھا کپڑا پہنتی۔ چنانچہ اکثر اپنے دوستوں' درزیوں اور مال روڈ کی بڑی بڑی دکانوں کی مقروض رہا کرتی۔ لیکن وہ جلدی ہی اپنے کسی نہ کسی چاہنے والے سے روپیہ لے کر اپنا قرض اتار دیتی۔

وہ شہر کی ماڈرن سوسائٹی میں بڑی مقبول تھی اور فیشن ایبل طبقے میں اسے رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ویسے بھی وہ صحت مند اونچی لمبی اور خوبصورت عورت تھی۔ آنکھوں میں نیلگوں رنگ کی جھلک تھی۔ سگریٹ اور شراب بھی اکثر پی لیا کرتی تھی۔ چہرے پر سرخی رہا کرتی اور جب مسکراتی تو چمکیلے دانتوں کی قطار نظر کو خیرہ کر دیا کرتی۔

نجم نام کا ایک خوش پوش' خوش شکل نوجوان نیلم کا عاشق تھا اور اس کی محبت کا دم بھرتا تھا یا کم از کم اس نے نیلم کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسی طرح نیلم نے اسے کہہ رکھا تھا وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ نجم ایک بیکار نوجوان تھا۔ چار سال ولایت میں بھی بیکار رہ کر گزار چکا تھا یہاں وہ خدا جانے کیا کرتا تھا کہ اس کے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ سگریٹ بھی رہا کرتے' کپڑے بھی بہترین' اسے میسر آ جاتے اور وہ نیلم پر بھی ہر ماہ کچھ نہ کچھ خرچ کر دیا کرتا۔ شروع شروع میں جب اس نے نیلم سے مل کر اظہار عشق کیا تو اس نے اس پر یک مشت ایک ہزار روپیہ خرچ کر دیا تھا۔ جس نے نیلم کو بہت متاثر کیا تھا۔ نیلم پر ابھی اس ایک ہزار روپے کا اثر باقی تھا اور وہ جانتی تھی کہ جو شخص ایک دن میں ایک ہزار روپیہ خرچ کر سکتا ہے وہ اگر چاہے تو ایک دن میں ایک ہزار پیدا بھی کر سکتا ہے لیکن اس کے بعد نجم نے اتنے پیسے پھر کبھی نہ خرچ کئے۔ اس کے باوجود ہر ماہ نیلم کو شاپنگ کرواتا' اس کے قرضے اتروانے میں اس کی مدد کرتا اور کچھ نہ کچھ ویسے بھی اس پر ہر روز خرچ کرتا رہتا۔ نیلم کا خرچ ہی اتنا تھا کہ نجم اتنے روپے روزانہ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اسے اس بات سے ہی خوشی ہو جاتی کہ نیلم اس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے اور اس کی وجہ سے نجم کو کلبوں کی فضا اور اونچی سوسائٹی کے ماحول میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس پہلی بار کے رسمی سے اظہار عشق کے بعد ان دونوں میں پھر کبھی محبت کی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ نہ کبھی انہوں نے شادی کے موضوع پر ایک دوسرے سے بات کی تھی۔ دراصل وہ دونوں ہی شادی کے قائل نہیں تھے اور محبت کو بھی انہوں نے صرف اونچی سوسائٹی میں مقبول ہونے کا ایک ذریعہ سمجھ رکھا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو اس ماحول میں باریاب ہونے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کر

رہے تھے۔ان کے معاشقے کی بنیاد جسمانی تعلقات کے علاوہ اس خواہش پر زیادہ تھی کہ وہ محبت کر کے اونچے طبقے میں مشہور ہو جائیں۔وہ جب اکٹھے کسی کلب یا پارٹی میں داخل ہوں تو لوگوں کی نظریں ایک دم ان کی طرف اٹھ جائیں۔اور لوگ ان کی قسمت پر رشک کریں اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہوئے حسد کا اظہار کریں۔اپنی اس کمزوری کا انہیں پورا پورا احساس تھا۔یہی وجہ تھی کہ کبھی کبھی جب وہ ایک دوسرے سے بے حد بور بھی ہو جاتے تو ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتے' بلکہ اس وقت زیادہ مسکرا کر ملتے اور زیادہ گرم جوشی سے باتیں کرتے۔سائیکل کے پہیوں کی طرح ایک دوسرے سے بے تعلق ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

بوڑھا خواجہ وجیع الدین اپنے بھتیجے وحید سے محبت کرتا تھا۔اس کی عزت کرتا تھا اور گھر میں جب کبھی کوئی تقریب ہوتی تو اسے ضرور ایک خط لکھ کر بلوا لیتا۔وحید کو دیکھ کر اسے اپنے مرحوم بھائی کا خیال آ جاتا تھا جس سے وہ بڑی محبت کرتا تھا۔وحید کی شکل اپنے باپ سے بہت ہی ملتی تھی۔اس کے علاوہ خواجہ صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ وحید ایک خوددار اور محنتی لڑکا ہے اور غریبی میں بھی عزت کی روٹی کما کر اپنے باپ کی وفات کے بعد گھر بار کا پورا خرچ چلا رہا ہے۔وحید بھی اگر کبھی گلبرگ والی اس عالیشان کوٹھی میں آتا تو صرف اپنے چچا کے پاس ہی زیادہ وقت گزارتا وہیں سے واپس گھر کی طرف چل پڑتا۔

سلیم کی سالگرہ کا دن آیا تو کوٹھی کو بڑی خوبصورت روشنیوں سے سجایا گیا۔نیلم نے اپنی ساری سہیلیوں اور دوستوں کو بلوایا۔خواجہ صاحب نے وحید کو بھی دعوت نامہ بھجوا دیا' بلکہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر اسے پوسٹ کیا۔وحید کو جب خط ملا تو اس نے والدہ کو دکھایا۔والدہ نے کہا۔

''کیا تم جاؤ گے وہاں؟''

''تمہارا کیا خیال ہے ماں؟''

''بیٹا! تم پہلے بھی وہاں جاتے رہے ہو۔میں نے تمہیں کبھی منع نہیں کیا' اس لئے کہ کہیں تمہارا دل نہ دکھی ہو۔کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ تم اپنے چچا سے پیار کرتے ہو اور وہ بھی تم سے پیار محبت کرتے ہیں۔لیکن بیٹا وہ بڑے لوگ ہیں۔ہمارا ان سے میل ملاپ سجتا نہیں ہے۔''

وحید نے سگریٹ سلگا لیا اور سر جھکا کر ماں کی باتیں غور سے سنتا رہا پھر خط کو ایک بار پھر پڑھ کر بولا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو ماں۔مگر چچا جان بڑے نیک آدمی ہیں۔وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میرے مرحوم ابا جی سے بھی انہیں بے

حد پیار تھا۔ میں تو صرف اس لئے وہاں جاتا ہوں کہ اگر نہ گیا تو ان کا جی ٹوٹ جائے گا۔"

"میں تمہیں نہیں روکتی بیٹا۔ اگر تم چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔"

چنانچہ نیلم کی سالگرہ پر وحید بھی پہنچ گیا۔

وحید کا کوٹ پھٹ گیا تھا۔ اس نے اسلم کی وساطت سے لنڈے میں سے پانچ روپے میں ایک نیا گرم کوٹ خرید لیا۔ یہ کوٹ نیلے رنگ کا تھا اور اس کے بٹن تانبے کے تھے' جو چمک رہے تھے۔ وحید سٹیشن پر سے بس میں سوار ہوا اور اپنے چچا کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ نیلم کی سالگرہ کی خوشی میں کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ مہمان اندر باہر پھر رہے تھے۔ کوٹھی کے گیٹ کے باہر لمبی لمبی کاریں کھڑی تھیں۔ وحید بس میں سے اتر کر یہاں تک پیدل ہی چل کر آیا تھا۔ وہ کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ لان میں ایک طرف سرخ گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے ان پر سرخ سرخ پھول کھل رہے تھے۔ وحید نے جھک کر پھول توڑا اور اسے اپنے کوٹ کے کاج میں لگا لیا۔

چند ایک مہمانوں نے اسے گھور کر دیکھا جیسے اسے کوئی اجنبی سمجھ رہے ہوں۔ وحید سیدھا اپنے چچا کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں جب وہ ایک برآمدے میں سے گزرنے لگا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کئی ایک لوگ بیش قیمت کپڑوں میں ملبوس کھڑے چائے پی رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے وحید جب ان کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک گنجے آدمی نے چائے کی خالی پیالی اس کی طرف بڑھا دی اور کہا۔

"دیکھو بیرا کچھ پان لے آؤ۔"

وحید کا خون کھولنے لگا۔ پیالی اس کے ہاتھ میں تھرتھرانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ آگ بن کر دہکنے لگا۔ اس نے دانت پیس لئے اور خالی پیالی اٹھا کر باہر باغ میں پھینک دی۔ گنجے مہمان کو کالر سے اپنی طرف کھینچ کر ایک جھٹکا دیا اور اپنے چچا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مہمان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ایک مہمان بولا۔

"بڑا بدتمیز نوکر تھا۔"

"اجی آج کل کے نوکر تو مالک ہوتے ہیں مالک۔"

خواجہ صاحب نے جب وحید کو کمرے میں آتا دیکھا تو مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا۔ اپنا بوڑھا ہاتھ وحید کے ہاتھ میں دے دیا اور بولے۔

''مجھے امید تھی تم ضرور آؤ گے بیٹا۔''

وحید نے چچا کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے چچا جان آپ بلائیں اور میں نہ آؤں۔''

چچا نے بھتیجے کا ماتھا چوم لیا۔

''تم جانتے ہو بیٹا۔ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یہاں ایک کمرے میں سب سے الگ سب سے جدا ہو کر پڑا ہوں۔ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے سب کچھ جانتا ہوں۔ مگر زبان نہیں کھول سکتا۔ اس لئے کہ میں اب کمانے والا نہیں ہوں۔ جب تک مرد کماتا ہے اس کی عزت ہوتی ہے۔ جب وہ دوسروں کے سہارے جئے تو اسے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی چپ ہی رہنا پڑتا ہے۔ مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ پہلی بیوی تھی' خدا اس کو جنت نصیب کرے وہ بھی نہ رہی۔ وہ مجھ پر جان چھڑکتی تھی۔ اس میں سے کوئی بھی اولاد زندہ نہ رہی۔ اب جو تمہاری چچی ہے تو خدا اس سے بچائے۔ وہ تو میری ساری دولت سنبھال کر بیٹھی ہوئی ہے۔ رہا بڑا لڑکا تو وہ بھی سوتیلا ہے۔ وہ بھی اس عورت میں سے ہے اور اپنی ماں کا دم بھرتا ہے۔ وہ تو مہینوں بعد کہیں مجھے اپنی شکل دکھاتا ہے۔ اب لے دے کے صرف تم ہی میرا خون رہ گئے ہو۔ اگر تم بھی نہ ملو تو میں کہاں جاؤں۔''

وحید نے چچا کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے چچا جان! لیکن یہاں کا ماحول کچھ ایسا ہی ہے کہ میں اپنے آپ کو یہاں موزوں نہیں پاتا۔''

چچا نے کہا۔

''تمہیں اس ماحول سے کیا بیٹا؟ تم مجھ سے ملنے آتے ہو اور میں تمہارے ہی ماحول میں سے ہوں' تمہارے ہی خون میں سے ہوں۔ کیا ہوا اگر تم غریب ہو۔ غریبی کوئی طعنہ نہیں ہے۔ تم محنتی ہو' نیک ہو' شریف ہو۔ اور انسان کی یہی سب سے بڑی تعریف اور خصوصیت ہوتی ہے۔''

اتنے میں کچھ لڑکیوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں اور نیلم اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ زرق برق لباس میں ملبوس میک اپ کے سولہ سنگار سے آراستہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے اندر آ کر وحید پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اپنے باپ سے بولی۔

''ڈیڈی! دیکھئے میں کتنی اچھی لگ رہی ہوں؟''

چچا نے پائپ کو جھاڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا لباس ہے۔۔۔۔۔۔۔اور ہاں بیٹی۔۔۔۔۔۔۔ان سے ملو۔۔۔۔۔۔۔یہ ہیں وحید صاحب۔۔۔۔۔۔۔تم تو انہیں جانتی ہی ہونا؟''

نیلم نے بے نیازی سے کہا۔

''کیوں نہیں ڈیڈی! یہ آپ کے بھتیجے ہیں ناں؟''

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔میرے مرحوم بھائی کی نشانی۔''

نیلم نے اپنی دونوں سہیلیوں کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

''لیکن ڈیڈی۔انہوں نے تو لنڈے بازار کا کوٹ پہن رکھا ہے۔معلوم ہوتا ہے ابھی کسی بارات میں باجہ بجا کر آ رہے ہیں۔''

نیلم کے ساتھ اس کی دونوں سہیلیوں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔چچا نے غصے سے ان کی طرف دیکھا۔وحید کا چہرہ شرم اور ندامت سے سرخ ہو گیا۔چچا نے غصے میں کہا۔

''نیلم! تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ شریف آدمیوں سے کیسے بات کی جاتی ہے؟''

نیلم نے کہا۔

''لیکن ڈیڈی شریف آدمی بھلا ایسا کوٹ بھی پہنتے ہیں کبھی؟''

بوڑھے چچا نے آتشدان میں تھوک کر کہا۔

''یہ مت بھولو نیلم کہ لباس کے نیچے ہر آدمی ننگا ہوتا ہے۔شرافت کپڑوں سے نہیں کردار سے دیکھی جاتی ہے۔''

نیلم مسکرا کر کہتی ہے۔

''ٹھیک ہے ڈیڈی! لیکن میری نظر کمزور ہے۔''

چچا نے سر جھکا کر کہا۔

''تمہاری نظر ہی کمزور نہیں نیلم! بلکہ ضمیر بھی مردہ ہے۔''

''یہ مسٹر ضمیر کون ہوتے ہیں ڈیڈی؟۔۔۔۔۔۔۔اچھا میں چلی۔ڈانس کا وقت ہو رہا ہے۔''

نیلم تتلی کی طرح ہنستی اچھلتی قہقہے لگاتی کمرے سے نکل جاتی ہے۔کمرے میں وحید اور بوڑھا چچا تنہا رہ جاتے ہیں۔چچا نے سر جھکا رکھا ہے۔وحید بڑا اداس اور دلگیر ہے۔چچا نے وحید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مجھے معاف کردو بیٹا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔ اگر میں تمہیں یہاں نہ بلواتا تو کوئی شخص بھی تمہاری بے عزتی نہ کر سکتا۔"

چچا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وحید نے چچا کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"چچا جان ایسا خیال نہ کریں۔ میں نے کسی بات کا برا نہیں مانا۔۔۔۔۔۔۔۔ بے سمجھ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہی امید تھی۔"

وحید نے شام کی چائے اپنے چچا کے ساتھ وہیں کمرے میں بیٹھ کر پی۔ چائے پی کر کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وحید نے چچا سے اجازت لی اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

عین اس وقت بڑے ہال کمرے میں رقص اور نغمے کا پروگرام ہو رہا تھا۔ کوئی عورت ڈانس کی دھن پر ایک گیت گا رہی تھی۔ گیت کی آواز وحید کو برآمدے میں سے گزرتے ہوئے صاف سنائی دے رہی تھی۔ گیت کا مفہوم کچھ اس قسم کا تھا۔

"دولت ہی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اور سونا ہی سب سے بڑی روشنی ہے۔

رقص اس وقت حسین معلوم ہوتا ہے

جب پاؤں میں سونے کی پائل ہو۔۔۔۔۔۔۔"

وحید ایک پل کے لئے برآمدے میں ستون کے ساتھ کھڑا ہو کر باہر باغ میں دیکھتا ہے۔ باغ میں ہر درخت پر بجلی کے قمقمے روشن تھے اور ہر طرف روشنی کا سیلاب سا امڈا ہوا تھا' دولت کی روشنی کا سونے کی روشنی کا۔۔۔۔۔۔۔ وحید نے اپنے لنڈے کے کوٹ پر ہاتھ پھیرا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی سانپ کے جسم پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ اس نے کالر کے کاج میں سے گلاب کا سرخ پھول نوچ کر زمین پر پھینک دیا اور باہر نکل گیا۔

گھر جا کر وحید نے اپنی والدہ سے اس واقعے کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی والدہ پریشان ہوں گی۔ لیکن اس کا جی چاہا کہ کوئی اس سے پوچھے کہ وہ اداس کیوں ہے؟ رضیہ سے اس نے اس لئے بات نہ کی کیونکہ اس میں سے اس کی اور اس کے رشتہ داروں کی توہین کا پہلو نکلتا تھا۔

اس نے اپنے جگری دوست اسلم کو بھی کچھ نہ بتایا۔ مگر چونکہ وہ اداس تھا اس لئے اسلم نے پوچھا۔

"تم کھوئے کھوئے سے کیوں ہو وحید؟"

وحید نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کے انسان دولت مند ہو کر انسانیت کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑ دیتا ہے؟''

اسلم نے کہا۔

''اس لئے کہ دولت انسانیت کی دشمن ہے اور یہ دونوں شیر ایک جنگل میں نہیں رہ سکتے۔ دولت آئے تو انسانیت چلی جاتی ہے اور اگر انسانیت پہلے آ جائے تو دولت ادھر سے کبھی نہیں گزرتی۔ انسانیت کا تو دولت ستیاناس کر دیتی ہے۔ چنانچہ امیر لوگوں کو اپنے اس دشمن سے ہمیشہ دور رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح بچہ بڑا ہو کر ماں کا دودھ چھوڑ دیتا ہے' اسی طرح انسان دولت مند ہو کر انسانیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔''

وحید نے کہا۔

''لیکن دوست اگر کسی طرح میرے پاس دولت آ جائے تو میں کبھی انسانیت کو ہاتھ سے نہ جانے دوں۔ میں تو انسانیت میں رہ کر انسان کی بھلائی کے کام کروں۔ ہسپتال بنواؤں' مسجدیں بنواؤں' پرانی مسجدوں کی مرمت کراؤں۔''

اسلم نے بات کاٹ کر کہا۔

''دولت! جب آدمی کے پاس دولت آتی ہے تو سب سے پہلے اس کی یادداشت گم ہوتی ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اس نے لوگوں سے کیا کیا وعدے کئے تھے؟''

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''فکر نہ کرو اسلم! میری یادداشت بڑی تیز ہے۔ میرا حافظہ بڑا مضبوط ہے۔ وہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دے سکتا۔''

''مگر تم دولت مند بن جانے کے بعد اپنی یادداشت اور حافظے کے سہارے پر نہیں بلکہ لوگوں کی یادداشتوں کے سہارے زندہ رہو گے۔''

''مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے اسلم۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اتنی دولت تمہارے پاس آخر آئے تو کیوں آئے اور اگر آ بھی جائے تو کہاں سے

آ ئے؟"

اسلم اور وحید دونوں ہنس پڑے۔ اسلم نے چائے کی پیالی منہ سے لگا کر کہا۔

"آج یہ چائے بڑی تیز ہے۔ عذرا تم نے قہوہ زیادہ ڈال کر میری آج کی ورزش کا ستیاناس کر دیا ہے۔

عذرا نے دودھ دانی اٹھالی۔

"لیجئے بھائی جان سارا دودھ حاضر ہے۔"

اگرچہ اس گھر میں دولت کی ریل پیل نہیں تھی۔ اس گھر کے کسی فرد کو کسی بھی موسم میں مکمل کپڑے نصیب نہیں ہوئے تھے۔ کوئی بھی شخص کبھی پیٹ بھر کر نہیں سویا تھا۔ ایک سیب سردیوں میں روزانہ کھانا اور گرمیوں میں دوپہر کے کھانے کے ساتھ فرج میں لگے ہوئے ٹھنڈے آم کسی کو بھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ یہاں کسی شخص کے پاس ایسا بٹوہ نہیں تھا جو نوٹوں سے بھرا ہوا ہو۔ یہاں کسی ستون کے پاس ایسا چمکدار میز نہیں پڑا تھا جس پر چاندی کا راکھ دان پڑا ہو۔ اس گھر کے لوگ کبھی گاڑی میں بیٹھ کر انار کلی شاپنگ کو نہیں گئے تھے۔ پھر بھی اس گھر میں خوشی اور مسرت ضرور تھی۔ اقتصادی پریشانی بھی تھی۔ قرضہ اتارنے کا غم بھی تھا۔ لیکن خوشی کے لمحات بھی تھے۔ ایسے لمحات جو صرف ان ہی لوگوں کے حصے میں آئے تھے۔

یہاں شام کو پتیلی میں چائے ضرور پکتی۔ اس وقت سب کے چہرے پرسکون اور مسرور ہوتے۔ گھر میں چہل پہل ہوتی۔ کیتلی میں چائے ابل رہی ہے۔ تخت پوش پر عذرا گجرات کی پیالیاں سجا رہی ہے۔ جیدی اسے چھیڑ رہا ہے۔ ماں چولہے کے پاس بیٹھی رات کی ترکاری بنا رہی ہے۔ وحید اسلم کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہے اور ساتھ کسی وقت باہر آنگن والی کھڑکی کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ وہاں کبھی کبھی رضیہ کا چاند سا مکھڑا دکھائی دے جاتا ہے۔ کبھی کبھی رضیہ بھی کسی کام کے بہانے ان میں آ کر شریک ہو جاتی ہے۔ پھر وحید کی باتوں میں بڑی گرمجوشی آ جاتی اور وہ چائے کی گرم گرم چسکیاں لیتے ہوئے ان لوگوں کو آنے والے خوشگوار دنوں کی امید افزا باتیں سناتا۔ اس زمانے کی باتیں جب اس دھرتی پر ہر آدمی خوش ہوگا' نیک ہوگا۔ اسے انسان کا نہیں بلکہ خدا کا ڈر ہوگا۔ وہ نفرت سے نہیں بلکہ محبت سے زندگی بسر کرے گا۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوگا۔ پھر لوگ دولت سے نہیں انسانوں سے پیار کریں گے۔

سب ان باتوں کو غور سے سنتے' چائے کا دور جاری رہتا۔ بجلی کی روشنی میں سبھوں کے چہروں پر ایک چمک سی آ جاتی۔ وحید رضیہ کو کنکھیوں سے دیکھے جاتا۔ رضیہ بھی محبت کی ماری نگاہوں سے اس کا منہ تکے جاتی۔ وحید کی آواز سے محبت کی عظمت' طاقت اور بھرپور

اعتماد کا اظہار ہوتا۔

پھر اچانک عذرا کہتی۔

''بھائی جان آپ کی چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔''

وحید نے چونک کر دیکھتا اور رضیہ یوں شرما جاتی جیسے محض اس کی وجہ سے وحید باتوں میں مدغم ہو گیا اور اسے کسی شے کا ہوش نہ رہا ہو۔ اسلم مسکرا کر کہتا۔

''یار وحید! تم بڑے عقلمند آدمی ہو۔ صرف باڈی کی کسر ہے۔ میری مانو کل سے تم بھی ورزش شروع کر دو۔''

اور یوں ہنسی مذاق میں یہ پر لطف محفل ختم ہو جاتی۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ ایک دن وحید کے دفتر میں ایک شخص آیا۔

یہ منحنی سا نوجوان تھا جس نے عینک لگا رکھی تھی اور بغل میں چمڑے کا تھیلا دبایا ہوا تھا۔ اس نے کینٹین میں آ کر عینک اتاری اور کرسی کھینچ کر کلرکوں کے اس ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ شخص لندن کی مشہور لاٹری ڈربی کا نمائندہ تھا اور لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرنے آیا تھا۔

''جی ہاں! دس روپے کا ٹکٹ خرید کر آپ دس لاکھ کی رقم حاصل کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''اگر ڈربی ریس میں آپ کے ٹکٹ کا نمبر آیا تو آپ کو دس لاکھ روپے کی رقم گھر بیٹھے مل جائے گی۔''

ایک کلرک نے ہنس کر کہا۔

''بھائی صاحب! وہ کمپنی دس ہزار روپے ایڈوانس نہیں دے سکتی؟''

سب کلرک ہنس پڑے ایجنٹ نے کہا۔

''آج آپ لوگ جس چیز کو مذاق سمجھ رہے ہیں کل اس پر حیرت کا اظہار کریں گے۔ جب آپ ہی میں سے کسی کے نام دس لاکھ روپے کی رقم نکل آئی تو آپ منہ میں انگلیاں داب لیں گے۔ دس روپے کی معمولی رقم آپ کی زندگی بدل کر رکھ دے گی۔''

ایک منحنی سے کلرک نے کہا۔

''لیکن بھائی صاحب! ابھی دس روپے دینے ہی سے اپنا حلیہ بدل جائے گا۔''

دوسرا بولا۔

''کیا آپ کی کمپنی ادھار نہیں کرتی۔''

''ہم قسطوں میں دس روپے ادا کر دیں گے۔''

''ایک روپیہ مہینہ میرا لگوا لیں۔''

''میں دو روپیہ مہینہ دینے کو تیار ہوں۔''

اس قسم کی تمسخر آمیز باتیں بھی ہوتی رہیں اور چند کلرکوں نے لاٹری کے ٹکٹ خرید بھی لئے۔ وحید نے بھی ایک ٹکٹ خرید لیا۔ وہ بھی اپنی قسمت کو آزمانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ دوسری بار اس دنیا میں پیدا ہو کر آجائے تو دس لاکھ روپے کا آدھا حصہ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ کیا عجب کہ اس کا نام آجائے۔ اس کے نام لاٹری نکل آئے۔

ایجنٹ نے وحید کی اور دوسرے کلرکوں کی تصویریں بھی طلب کیں۔ ایک کلرک نے منہ بنا کر کہا۔

''کیوں جناب! یہ ہماری تصویریں کس تھانے میں لگائی جائیں گی؟''

سب کلرک قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ایجنٹ نے کہا۔

''جی نہیں! آپ کی تصویریں کمپنی کے دفتر میں رہیں گی۔ اگر آپ کے نام کی لاٹری نکل آئی تو آپ کی تصویر اخباروں میں چھپنے کے لئے دے دی جائے گی۔''

''کیا یہ خرچ اس دس لاکھ روپوں میں سے کاٹ لیا جائے گا؟''

''یار قریشی تمہیں بس حساب کتاب لے ڈوبے گا۔ ارے کمینے جب دس لاکھ روپے جیب میں ہوں گے تو پندرہ بیس کے خرچ سے کیا اثر پڑتا ہے؟''

پہلے والا کلرک بولا۔

''نہیں بھائی صاحب! حساب پھر حساب ہے۔ یہاں تو پائی پائی کا حساب رکھا جاتا ہے۔''

ایجنٹ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ایسا نہیں ہوگا۔ ساری پبلسٹی کی ذمہ داری کمپنی پر ہوگی۔ آپ کو اپنی جیب میں سے ایک پائی بھی ادا نہیں کرنی پڑے گی۔''

''پھر تو اچھی بات ہے۔''

''تو کاٹوں آپ کے نام کی ایک ٹکٹ؟''

''جی نہیں شکریہ! میں دس لاکھ کی خاطر اپنے دس روپے کنویں میں نہیں پھینکنا چاہتا۔''

''برادرم یہ کنواں نہیں بلکہ دولت کا سمندر ہے۔''

''جی نہیں یہ موت کا کنواں ہے۔''

ایک کلرک نے کہا۔

''بھائی صاحب میری تصویر کبھی نہیں اترتی ہیگو جل جاتا ہے۔''

دوسرا کلرک بولا۔ ''پھر تم اپنے والد صاحب کی تصویر دے دو۔

وحید ٹکٹ خرید کر گھر واپس آ گیا۔

اس نے جب شام کی چائے پر لاٹری کا ٹکٹ ان لوگوں کو دکھایا تو وہ حیران سے ہوئے۔ کیوں کہ ان سبھوں کے خیال میں وحید نے دس روپے نالی میں پھینک دیئے تھے۔

والدہ نے کہا۔

''بیٹا یہ جوا ہوتا ہے۔ ہمارے مذہب میں ایسی باتیں گناہ ہیں۔تم نے غلطی کی جو یہ ٹکٹ خرید لیا۔''

وحید نے کہا۔

''ماں یہ تو قسمت آزمانے کی بات ہے۔''

اسلم نے کہا۔

''اگر تمہیں کلیمز وغیرہ میں تھوڑی بہت زمین مل جائے تو اس سے بڑی اور کیا دولت ہوگی۔ میں ایسی دولت کا قائل نہیں ہوں جو کچے پھل کی طرح انسان کی جھولی میں زبردستی جھاڑ دی جائے۔ یہ دولت ہضم نہیں ہوا کرتی۔''

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''فکر نہ کرو اسلم! میرا معدہ بڑا مضبوط ہے۔''

''میرا کہنے کا مطلب صرف یہ تھا وحید جس دولت کے لئے انسان نے خود محنت نہ کی ہو وہ انسان کی زندگی میں سوائے پریشانیوں، دکھوں اور تکلیفوں کے اور کچھ نہیں لاتی۔''

وحید نے جھلا کر کہا۔

"یار تم لوگ تو یوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو جیسے میں نے کہیں ڈاکہ ڈال دیا ہے۔ اگر میری لاٹری نکل آئی تو سب لوگ یہی کہو گے کہ میں نے اچھا کیا جو اس کا ٹکٹ خرید لیا تھا۔"

اسلم نے کہا۔

"کم از کم میں تو تمہیں ایسا کبھی نہیں کہوں گا۔"

اس کے بعد وہاں خاموشی طاری ہو گئی۔ سب نے اس دن بڑی بے دلی سے چائے پی اور کوئی دلچسپ بات نہ ہوئی۔ رات کو وحید نے رضیہ سے چھت پر ملاقات کی اور اسے بھی لاٹری کے ٹکٹ کا بتایا۔

رضیہ نے کہا۔

"کیا سچ مچ تمہارے دس لاکھ روپے نکل آئیں گے؟"

"ہاں رضیہ! ایسا ہو سکتا ہے۔ پھر میں فوراً تم سے شادی کر لوں گا۔ پھر میں تمہیں بیاہ کر ساتھ لے جاؤں گا۔ تمہارے لئے ایک عالیشان بنگلہ بنواؤں گا۔"

رضیہ نے اداس ہو کر کہا۔

"میں ڈرتی ہوں وحید کہ دولت پا کر تم مجھ ایسی غریب لڑکی کو بھول نہ جاؤ۔ میں نے سن رکھا ہے کہ دولت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جب آدمی ایک دم امیر بن جائے تو اپنے پرانے دوستوں کو بالکل ہی بھلا دیتا ہے۔ اگر تم نے مجھے بھلا دیا وحید تو میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں گی۔ نہیں! نہیں! مجھے تمہاری دولت نہیں چاہیے۔ میرے لئے ایسی غریبی ہی جنت ہے جس میں مجھے تمہاری محبت نصیب ہے۔"

وحید نے کہا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو رضیہ! آج کل کا زمانہ ہی پیسے کا زمانہ ہے۔ جس کے پاس پیسہ نہیں وہ ذلیل و خوار آدمی ہے اور جس کے پاس پیسہ ہے وہ شریف آدمی ہے۔ اور پھر اگر میں کامیاب ہو گیا تو سارے پیسے غریبوں پر خرچ کروں گا۔ میں دوسروں کی طرح سنگدل اور ظالم نہیں بنوں گا۔ ان گلیوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا' اپنی رضیہ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور کیا خبر کہ میری لاٹری ہی نہ نکلے؟"

رضیہ نے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیا اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "مجھے یوں لگتا ہے وحید جیسے تم مجھ سے الگ ہو کر سونے کی دیوار کے پیچھے جا رہے ہو۔"

وحید نے کہا۔ "یہ تمہارا وہم ہے میری جان!"

اور رضیہ کا ماتھا چوم کر چھت پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔

جب وہ دوبارہ اپنے لحاف میں آ کر لیٹا تو اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کا ذہن دس لاکھ روپے کے تصورات اور ان تصورات سے پیدا ہونے والی خواہشات کے تصورات میں چکر کھا رہا تھا۔ اس کی نیند بالکل ہی اڑ گئی۔ اس کی آنکھیں درد کرنے لگیں۔ مگر نیند ان آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ رات بھر یہی سوچتا رہا کہ اگر اس کی دس لاکھ روپے کی لاٹری نکل آئی تو وہ کیا کیا کچھ کرے گا۔ اپنے لیے کتنا خوبصورت بنگلہ بنوائے گا۔ ایک کار خریدے گا۔ نہیں دو کاریں خریدے گا۔ ایک اپنے دوست اسلم کے لئے۔ ساری رات وہ جاگتا رہا۔ صبح دفتر جانے لگا تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔ یہ لاٹری کا ایجنٹ اچھی اسے درد سر دے گیا تھا۔ دفتر جا کر اسے معلوم ہوا کہ جن دوسرے کلرکوں نے لاٹری کے ٹکٹ خریدے تھے وہ بھی رات بھر نہیں سو سکے تھے۔

اسی دن شام کو وحید کو چچا کے ہاں گلبرگ والی کوٹھی جانا پڑ گیا۔

وحید کے زمین کے سلسلے میں کلیم کے کچھ کاغذات پھنسے ہوئے تھے۔ اسے ان کاغذات پر چچا کے دستخط کرانے تھے چچا نے حسب عادت خندہ پیشانی سے وحید کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے فوراً کاغذات پر مطلوبہ دستخط کر دیئے۔

"اگر تم کہو تو میں کسی افسر کے ہاں تمہاری سفارش کر دوں؟"

"نہیں چچا جان! سفارش کی کیا ضرورت ہے۔ تھوڑی سی زمین کا معاملہ ہے۔ مل گئی تو کم از کم گندم مفت آ جایا کرے گی۔"

"اچھا بیٹا خدا کرے کہ تمہارا کام ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے اور تم بھی سکھ کا سانس لے سکو اور اپنی شادی کے بارے میں سوچ سکو۔"

چچا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وحید نے کہا۔

"ابھی تو بہن کی شادی کی فکر کھائے جا رہی ہے چچا جان۔"

"فکر نہ کرو بیٹا۔ اللہ کارساز ہے۔ جب وقت آیا تو مجھ سے جو خدمت ہو سکے گی خوشی سے کروں گا۔ آخر وہ بھی تو میرے بھائی کی اولاد ہے۔ مگر کیا کروں۔ دوسروں کے سہارے پڑا ہوں جو کچھ تھا سب تمہاری چچی نے ہتھیا لیا۔ کاش میں تم لوگوں کی کوئی خدمت کر سکتا؟"

وحید نے کہا۔

"ایسی باتیں نہ کریں چچا جان! میں زندہ ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے میرے بہن بھائیوں کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ہمارے لئے آپ کی محبت ہی بہت بڑا سرمایہ ہے۔''

''جیتے رہو بیٹا! خدا تمہیں عزت اور آبرو دے۔''

''اچھا چچا جان جا رہا ہوں۔''

''اچھا بیٹے خدا حافظ۔ بہن بھائی کو میری طرف سے پیار دینا اور بھاوج کو سلام کہنا۔ کاش میں خود ان کے پاس جا کر انہیں مل سکتا۔ مگر کیا کروں۔ اگر ایک دن کے لئے بھی تمہارے ہاں گیا تو یہاں سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا جاؤں گا۔ ایک بات یاد رکھنا بیٹے! شادی ہمیشہ شریف عورت سے کرنا۔ ایسی عورت سے جو تمہارے لئے کھانا پکا سکے۔ اچھا خدا حافظ!''

وحید چچا کے کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ اس نے سوچا کہ ہر آدمی کا علم اس کے اپنے تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وہ جو تجربہ حاصل کرتا ہے ویسا ہی اس سے نتیجہ اخذ کر کے اسے ایک مقولہ بنا دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اگر چچا جان کسی دوسری طوائف سے شادی کرتے تو وہ زیادہ فرمانبردار بیوی ثابت ہوتی۔ لیکن رضیہ تو شریف لڑکی ہے اس کے ساتھ شادی کر کے تو میں بہت سکھی رہوں گا۔ کاش میری لاٹری نکل آئے! کاش! کاش!

انہیں خیالات میں کھویا وحید برآمدے میں سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگا تھا کہ اسے نیلم دکھائی دی۔ اس نے پیازی رنگ کی بیش قیمت ساڑھی پہن رکھی تھی اور کندھے پر بڑی شاندار فر ڈال رکھی تھی۔ وہ کار میں سے نکل کر کوٹھی کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ وحید اس کے پاس سے چپ چاپ گزر گیا۔ نیلم نے بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ وحید کو دل میں ایک کانٹا سا چبھتا محسوس ہوا۔ اسے نیلم کی نیلگوں آنکھوں' سرخ و سپید رنگت' بھرے بھرے جسم اور بھرپور سرخ ہونٹوں نے ہمیشہ اپنی طرف کھینچا تھا نیلم اپنے پیچھے خوشبو کا غبار سا چھوڑ گئی۔

وحید کو یوں لگا جیسے ایک کمزوری آواز اس کے اندر سے بلند ہو کر اسے کہہ رہی ہو کہ وحید تم اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ تم رضیہ کے علاوہ نیلم سے بھی محبت کرتے ہو۔ بلکہ نیلم سے تم زیادہ عشق کرتے ہو۔ رضیہ سے اس لئے محبت کرتے ہو کہ وہ نیک اور وفا شعار ہے اور تمہارے لئے ہر قسم کی قربانی کر سکتی ہے۔ وہ تمہاری غلام بن کر رہ سکتی ہے۔ اسے تم جدھر چاہے موڑ سکتے ہو۔ اور نیلم سے اس لئے محبت کرتے ہو کہ اسے تمہاری پروا نہیں۔ تم اسے مغلوب کرنا چاہتے ہو' شکست دے کر اپنے قدموں پر جھکا ہوا دیکھنا چاہتے ہو۔ تم اس کی عشرت پسندیوں پر لٹو ہو گئے ہو۔ تمہارا پہلا جذبہ بلندی اور نیکی کا جذبہ ہے۔ اور دوسرا ہوس اور لذت پرستی کا جذبہ ہے۔ لیکن وحید! نیلم کو حاصل کرنے کے لئے دولت کی ضرورت ہے۔ وفا اور شعار کی نہیں۔ نیلم کے بازار میں وفا اور اشیاء کھوٹے سکے

ہیں۔ یہاں اس دولت کی ضرورت ہے جس کی مدد سے تم اپنی گلی کا فرش پکا کروانا چاہتے ہو اور بچوں کے لئے پارک بنوانا چاہتے ہو۔ اس وقت تمہاری زندگی ایک باورچی خانہ ہے جس میں روٹی کھاتے ہوئے تمہارے ہاتھ کالے ہو جاتے ہیں۔ اگر تمہاری لاٹری نکل آئی تو نیلم تمہاری ہوگی۔ نیلم تمہاری ہوگی۔ وحید! دنیا کو صرف دولت ہی سے جھکایا جا سکتا ہے۔ تمہیں دولت پیدا کرنی ہوگی۔ بندوق کی نالی بن کر ان لوگوں کے درمیان گھس جانا ہوگا۔ اس دنیا میں نیکی اور ایمانداری کی کوئی قدر نہیں۔ اس دنیا سے وہی سلوک کرو جس کی یہ مستحق ہے۔ پھر نیلم تمہاری ہوگی۔۔۔۔۔۔۔ نیلم تمہاری ہوگی۔۔۔۔۔۔۔!

وحید نے سر جھٹک دیا اور دیکھا کہ وہ رات کی سردی میں دونوں ہاتھ اپنے لنڈے کے کوٹ کی جیبوں میں ڈالے پیدل ہی سڑک پر چلا جا رہا ہے۔ اس نے جیب سے ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگایا اور اسے سر جھکا کر پیتے ہوئے پھر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد اسے ایک بس ملی جس میں سوار ہو کر وہ سٹیشن پر پہنچا اور وہاں سے پھر پیدل گھر آ گیا۔

اس رات وہ رضیہ سے پھر ملا۔ اس نے رضیہ کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور بڑی محبت سے بولا۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں رضیہ! بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں کبھی اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔ تم میرے جسم کا حصہ ہو، بہترین اور ناگزیر حصہ ہو۔''

رضیہ نے وحید کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''آج کیا بات ہے وحید! تم نے پہلے کبھی اس طرح مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔''

''کچھ نہیں رضیہ! حقیقت میں میرا دل محبت سے ہمیشہ لبریز رہتا ہے۔ جو چیز موجود ہو اس کی موجودگی کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔''

رضیہ کو یقین تھا کہ آج وحید کے دل میں ضرور کوئی خاص بات پیدا ہوئی ہے۔ لیکن وہ بات کیا تھی؟ اسے اس کا ناپختہ ذہن سمجھ نہیں سکتا تھا اس کے وجدان نے اسے اس بات کا پورا پورا احساس دلا دیا تھا کہ کوئی بات ہوئی ہے۔ کیا بات ہوئی ہے؟ اس کے لئے وجدان کی نہیں عقل کی ضرورت تھی۔ اور یہ رضیہ میں اتنی زیادہ نہیں تھی۔ وحید نے رضیہ کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

رضیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ وحید سے بے پناہ پیار کرتی تھی۔ مگر جیسا کہ ہمارے ہاں کی گلیوں میں رہنے والی لڑکیاں محبت میں کبھی گرمجوشی کا ثبوت نہیں دیتیں۔ رضیہ نے بھی کبھی اپنی محبت کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا تھا۔ اس کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وحید اسے ہر روز نظر آ جاتا تھا اور وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھ لیا کرتی تھی۔

وحید نے کہا۔

''رضیہ! جب سوچتا ہوں کہ تم سے اتنی محبت کیسے میرے دل میں پیدا ہوگئی تو مجھے اس کا کوئی جواب سجھائی نہیں دیتا۔''

رضیہ نے کہا۔

''وحید! اتنی محبت پیدا کرنے کے بعد کہیں مجھے بھول تو نہ جاؤ گے؟''

''ایسا کبھی نہیں ہوسکتا رضیہ! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! جب تک میرے تن میں جان ہے اور بدن میں قوت ہے میں تمہیں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ چاہوں بھی تو ایسا نہیں کرسکتا۔ تمہاری محبت میری طاقت سے باہر ہے یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔''

رضیہ نے اپنا سر وحید کے سینے سے لگا دیا۔

''تم نہیں جانتے ہو وحید! اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا' مجھے بھلا دیا تو میری زندگی ویران ہوجائے گی۔ میں زندہ نہ رہ سکوں گی میں زہر کھا کر خودکشی کرلوں گی۔''

''نہیں نہیں رضیہ! ایسی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

''جب تم دولت کی باتیں کرتے ہو نا وحید تو میرا کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ دولت محبت کی دشمن ہوتی ہے اور وہ محبت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا کردیتی ہے۔''

وحید نے رضیہ کا منہ چوم لیا اور اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

''یہ تمہاری بھول ہے رضیہ! اول تو میں دولت مند کبھی نہیں ہوں گا۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا کبھی ہو بھی گیا تو میں سب سے پہلے تم سے شادی کروں گا۔ دولت کا اس سے بڑا اور کیا مصرف ہوسکتا ہے کہ میں اس کی مدد سے اپنی رضیہ سے بیاہ رچا لوں۔''

''پھر بھی وحید کبھی کبھی رات کو جب مجھے ان باتوں کا خیال آتا ہے تو میں کانپ اٹھتی ہوں اور پھر مجھے کتنی کتنی دیر تک نیند نہیں آتی۔''

وحید نے اسے گلے سے لگا لیا۔

''تم ایسی باتیں مت سوچا کرو رضیہ! ہمیشہ اچھی اچھی اور صحت مند باتیں سوچا کرو۔''

گلی میں پہریدار کی آواز گونجی۔ دونوں چپ ہوگئے جب پہریدار آگے گزر گیا تو وہاں ایک بار پھر گہری خاموشی طاری ہوگئی۔

وحید نے رضیہ کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور خاموشی اور پرسکون لمحات میں ان پھولوں کا شہد اپنے حلق میں اتارتا رہا۔ اچانک رضیہ کے مکان کے صحن میں ایک آہٹ سی ہوئی۔ رضیہ تڑپ کر الگ ہوگئی۔

''کیا ہوا؟''

''تم جاؤ۔ خدا کے لئے جلدی سے چلے جاؤ۔ اباجی اٹھے ہیں۔ میں جا رہی ہوں۔''

اتنا کہہ کر رضیہ فوراً نیچے بھاگ گئی۔ وحید نے بھی ایک ہی چھلانگ سے چھت کی دیوار کو عبور کیا اور اپنی چھت پر بلی کی طرح پنجوں کے بل چلتا سیڑھیاں اتر کر نیچے کمرے میں آ کر اپنے بستر میں لیٹ گیا۔ دوسرے روز اس نے رضیہ سے مل کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ خیریت گزری' کسی کو معلوم نہیں ہوسکا۔

لاٹری کا ٹکٹ خریدے وحید اور اس کے دفتر کے دوسرے ساتھیوں کو ایک ماہ کا عرصہ ہوگیا تھا۔ لاٹری نکلنے میں ابھی بیس روز باقی تھے۔ جوں جوں یہ تاریخ قریب آ رہی تھی وحید اور اس کے ساتھیوں کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بلکہ اب تو یہ سارے کلرک ایک دوسرے کو حسد اور رقابت کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کو اس بات کا یقین تھا کہ ان میں سے کسی ایک کا نمبر ضرور نکل آئے گا۔ ہر شخص اس خوش قسمت پر حسد کرنے لگا تھا جس کا نمبر نکلنے والا تھا۔ اس اعتبار سے وہ خوش قسمت شخص جس کی لاٹری نکلنے والی تھی باقی کلرکوں کی بدنصیبی کا ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک قسم کی پوشیدہ دشمنی کے جذبے کی پرورش شروع کر دی تھی۔

ایک روز دفتر میں ان لوگوں کی اس موضوع پر باتیں ہوئیں۔ وحید نے ایک کلرک مسٹر احسان علی سے پوچھا۔

''یار اگر تمہاری لاٹری نکل آئے تو تم کیا کرو گے؟''

احسان نے عینک اتار کر صاف کرتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے تو میں سنہری فریم والی عینک لگواؤں گا۔ اس کے بعد گھر میں دس سال کا اناج ڈلواؤں گا۔''

وحید نے دوسرے سے پوچھا۔

''اچھا بھائی تم کیا کرو گے؟''

دوسرے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تو ایک نئی سائیکل خریدوں گا۔ یہ میری پرانی سائیکل تو اب آثار قدیمہ بن گئی ہے؟''

سب کلرک ہنس پڑے وحید نے کہا۔

''کیا تم کار نہیں خریدو گے؟''

''نہیں یار اس طرح دفتر کے لوگ کہیں گے کہ دولت آئی تو مغرور ہو گیا ہے۔''

''تو کیا تم دفتر میں بدستور نوکری کرتے رہو گے؟''

''نوکری نہیں کروں گا تو کھاؤں گا کہاں سے؟''

''اور جو دس لاکھ کی رقم ہو گی اسے کیا کرو گے؟''

''اسے ۔۔۔۔۔۔؟ اسے تو بنک میں جمع کروا دوں گا۔''

''بس بیٹا پھر تمہاری لاٹری نہیں نکلتی۔''

قریشی نے وحید سے پوچھا کہ اگر اس کے نام کی لاٹری نکل آئی تو وہ کیا کرے گا۔ اس پر وحید نے کہا۔

''بھائی میں تو صرف یہ کروں گا کہ اس میں سے کچھ اپنے پر خرچ کروں گا اور باقی روپے لوگوں کی خدمت پر صرف کروں گا۔''

''خدمت! کیا تم سرائے تعمیر کراؤ گے؟''

''سرائے تو نہیں البتہ مسجدیں ضرور بنواؤں گا۔ ہسپتال تعمیر کراؤں گا۔ اپنے محلے کی گلیوں کو پختہ کراؤں گا۔ بجلی کا انتظام درست کراؤں گا۔ بچوں کی تفریح کے لئے پارک بنواؤں گا اور ایک دو اسکول بھی کھلوا دوں گا۔''

''یار تمہارا پروگرام تو بڑا اچھا ہے۔ پھر لاٹری تمہیں ہی ملنی چاہیے۔''

احسان علی نے کہا۔

''لیکن یار وحید! کلرکوں کے لئے ایک ہسپتال ضرور بنوانا۔ اس جنس کو کوئی نہیں پوچھتا اور انہیں سب سے زیادہ ضرورت ہسپتال کی ہے۔

وحید نے مسکرا کر کہا۔

فکر نہ کرو۔ کلرکوں اور حیوانوں دونوں کے شفاخانے بنوانے کا پروگرام میرے پاس موجود ہے۔

اس قسم کی باتوں کے بعد محفل اٹھ گئی۔ کچھ دن اور گزر گئے۔ اب تو ان لوگوں نے کچھ اس طرح سوچنا شروع کر دیا جیسے انہوں نے ٹکٹ خرید کر غلطی کی ہو اور اپنے دس روپے ضائع کر دیئے ہوں۔ جوں جوں دن قریب آ رہے تھے انہیں اس بات کا احساس ہو رہا

تھا کہ اتنی بڑی رقم کی لاٹری ان میں سے کسی کے نام بھی نہیں نکل سکتی۔ کہاں دس لاکھ کی رقم اور کہاں ایک معمولی کلرک۔

"بھائی یہ تو راجہ بھوج اور گنگوا تیلی والی بات ہے۔ سچ پوچھو تو ہم نے دس روپے کنویں میں پھینک دیئے ہیں۔"

"بھئی کیا معلوم قسمت یاوری کر جائے اور لاٹری ہماری ہی نکل آئے۔"

"بھائی صاحب! یورپ میں سینکڑوں لوگوں نے ٹکٹ خریدے ہوں گے۔ اور یورپ کے مقابلے میں ہماری قسمت اتنی تیز نہیں ہو سکتی۔

"یہ بات نہیں یار۔۔۔۔۔۔۔ قسمت کا کیا ہے۔ وہ تو کسی پر بھی مہربان ہو سکتی ہے۔ وہ تو اندھی ہوتی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ وہ راجہ کے سر پر تاج رکھ رہی ہے یا بھکاری کے سر پر۔"

وحید نے کہا۔

"بھائی جان آج کل قسمت نے بھی گنگا رام ہسپتال سے آنکھیں بنوالی ہیں۔ وہ صرف راجہ کے سر پر تاج رکھتی ہے۔ آج تو دھن والے کو ہی دھن ملتا ہے۔ غریب کی غریبی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ بادل تو ان دنوں صرف سمندر پر ہی برستا ہے۔ صحرا تو پانی کی ایک بوند کو بھی ترستے رہتے ہیں۔"

"یار تم اپنا فلسفہ کہاں لے بیٹھے؟ لاٹری نکلنی ہے تو نکل آئے گی۔ نہیں تو جائے جہنم میں، دس کا نوٹ سمجھ لیں گے کہ پان کھا کر اور سگریٹ پی کر اڑا دیا۔"

منحنی سے کلرک نے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے بھائی۔۔۔۔۔۔۔ میں تو سال میں بھی پان سگریٹ پر دس روپے خرچ نہ کروں۔"

"ارے اسی لئے تو تمہیں دقیانوس کہا جاتا ہے۔ جانتے ہو دقیانوس کون تھا۔؟"

"کوئی بادشاہ ہو گا؟"

"بادشاہ نہیں بھڑ بھونجا تھا۔"

"میں اسے نہیں مانتا۔"

"تمہارے نہ ماننے سے وہ بادشاہ نہیں بن سکتا"

"ارے لعنت ہے تم لوگوں پر منہ در منہ جھوٹ بولتے ہو۔"

انیس تاریخ کی رات کو کوئی کلرک بھی نہ سو سکا۔ صبح بیس تاریخ تھی اور شام تک لاٹری کے نتیجے کا اعلان ہو جانے کی توقع تھی۔ رات بھر وحید بھی بستر پر پہلو بدلتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس کی لاٹری نہ نکلی تو وہ غم واندوہ سے پاگل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے بڑے بڑے پروگراموں کو آخری شکل دے رکھی تھی۔ بیس تاریخ کا دن طلوع ہوا۔ سارا دن وحید نے اضطراب کے عالم میں گزارا۔ شام ہوگئی مگر لاٹری کے نتیجے کا اعلان نہ ہوا۔ پھر رات ہوگئی مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔

رات کے بارہ بجے تک ڈربی لاٹری کی کوئی خبر نہ آئی۔

معلوم ہوا کہ خبروں کی ترسیل میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ وحید ناامید ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا۔ اسے لیٹتے ہی نیند آگئی اور وہ گہری نیند میں کھو گیا۔ رات گزر گئی۔ صبح کا سورج طلوع ہوا۔ وحید سو رہا تھا۔ اسلم صبح صبح اٹھا۔ مسواک منہ میں ڈالی، تیل کی شیشی اور صابن کی ڈبیا ہاتھ میں لی اور کنویں کی طرف چل پڑا۔ گلی میں کچھ لوگ سردی میں ٹھٹھرتے چلے جا رہے تھے۔ اچانک اخبار والا شور مچاتا سائیکل پر سوار گلی میں داخل ہوا۔

"نکل آیا۔ ڈربی لاٹری کا انعام نکل آیا۔"

اسلم کو اچانک خیال آیا کہ وحید نے بھی ڈربی کا ٹکٹ خرید رکھا ہے۔

اس نے اخبار والے کو بلایا۔

"دینا یار ایک پرچہ۔"

پرچہ خرید کر اس نے پہلے حصے پر نظر ماری تو اچانک ایک کونے پر وحید کی تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی تصویر کیسے چھپ گئی۔ اب جو خبر پڑھی تو اس کے ہاتھوں میں پرچہ لرزنے لگا۔ وحید کی لاٹری نکل آئی تھی۔

اسلم نے بے اختیار ہو کر وحید کے مکان کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ وحید سو رہا تھا۔ اسلم نے دروازے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔

"وحید! وحید!"

عذرا نے دروازہ کھولا۔ کیوں کہ وہ اس وقت آگ جلانے کے لئے اٹھی ہوئی تھی۔ اسلم نے عذرا سے کہا۔

"وحید کی لاٹری نکل آئی۔"

گھر میں ایک شور سا مچ گیا۔ وحید کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے کان میں لاٹری کے لفظ کی بھنک پڑی تو اسے یاد آگیا کہ رات لاٹری

کا نتیجہ نکلنے والا تھا۔ وہ ایک دم بستر سے اچھل پڑا۔ باہر آ کر اس نے اسلم کے ہاتھ سے اخبار چھین لیا۔

"کیا ہوا؟"

"تمہاری لاٹری نکل آئی۔"

"بکواس کرتے ہو۔"

"اپنی تصویر دیکھ لو۔"

"یہ میری نہیں۔"

"غور سے دیکھو۔"

بکواس ہے بکواس مگر ۔۔۔۔۔۔ مگر یہ تو میری ہی تصویر ہے۔ تو کیا میری لاٹری نکل آئی ہے؟ ماں! ماں! میری لاٹری نکل آئی۔"

وہ ماں سے لپٹ گیا۔ پھر اسلم سے لپٹ گیا۔ پھر عذرا کو چمٹا لیا۔ پھر جیدی کو اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ رنگ زرد ہو رہا تھا۔ گلا خشک ہو گیا تھا۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے اخبار کی خبر کو غور سے پڑھا۔ ایک بار ۔۔۔۔۔۔ دو بار ۔۔۔۔۔۔ سہ بار ۔۔۔۔۔۔ بار بار پڑھا۔ ہر بار نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ وحید احمد ولد بشیر احمد لاٹری نمبر فلاں فلاں کی لاٹری نکل آئی ہے۔ اور اسے پندرہ دنوں کے اندر اندر دس لاکھ کی رقم مل جائے گی۔ وحید ایک دم پریشان سا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیٹ میں درد سا اٹھنے لگتا ہے۔ وہ بیٹھ جاتا ہے۔ ایک دم اتنی دولت مل جانے سے اسے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی پریشانی آن گھیرتی ہے۔ وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ سر پر سے یک لخت سارا بوجھ اٹھ جانے سے اسے اپنا آپ خالی کنستر کی طرح ہلکا اور بے مقصد معلوم ہونے لگتا ہے۔ جن چیزوں میں کل تک اسے دل کشی دکھائی دیتی تھی۔ اب وہ بے معنی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ خوشی جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے حاصل ہوئی تھی اب غائب ہو جاتی ہے۔ وہ جلدی جلدی چائے پیتا ہے۔ چائے اسے بے مزہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کا حلق کڑوا ہو گیا ہے۔

دفتر پہنچ کر سارے کلرک اسے گلے ملتے ہیں' ان کے چہروں پر حیرت بھی ہے' خوشی بھی ہے اور اداسی بھی ہے۔ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں یہ سوچ کر کہ انہیں انعام نہیں ملا اور وحید کو مل گیا ہے۔ وحید ان کی بدنصیبی کا ذمہ دار ہے۔ وہ حیران ہیں کہ اتنا بڑا انعام وحید کو کیسے مل گیا۔

''مبارک ہو تمہیں وحید! تم خوش قسمت نکلے''

دوسرے نے کہا۔

''یہ تو خدا کی دین ہے''

''وحید کے آفیسر نے بھی وحید کو بلا کر مبارک باد دی اور کہا اب ان روپوں کو نیک کاموں میں استعمال کرنا۔ خوشامد کرنے والوں اور راہ راست سے بھٹکانے والوں سے خبردار رہنا۔ خدا نے تمہیں یہ دولت اس لئے دی ہے کہ تم اس کا درست استعمال کرو۔ یہ تو ایک طرح سے تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے۔''

وحید نے کہا۔

''شکریہ! خدا کے فضل سے میں ایسا ہی کروں گا۔''

وحید کا دل خوشی سے اس قدر لبریز ہو گیا تھا کہ اسے خوشی کا احساس تک باقی نہیں رہا تھا۔ خوشی سے اس کا جسم سن ہو گیا تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی حس باقی نہ رہی تھی۔ اس کا دفتر میں ذرا جی نہیں لگتا تھا۔ وہ دو گھنٹے میز پر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اٹھا اور سائیکل پر سوار ہو کر گھر آ گیا۔ گھر آ کر اس نے کاپی پنسل پکڑی اور دس لاکھ روپے کا حساب کتاب کرنے لگا۔ تیسرے پہر وہی لاٹری کا منحنی سا ایجنٹ اس کے پاس گھر آ گیا۔

''مبارک ہو۔۔۔۔۔۔۔مبارک ہو۔۔۔۔۔۔۔مبارک ہو وحید!''

ایجنٹ وحید سے بغل گیر ہو گیا۔ اس نے وحید کے شانوں کو تھپتھپایا۔

''میں جانتا تھا کہ قسمت کی دیوی تم پر مہربان ہے۔ اب پندرہ دن کے بعد تمہیں نیشنل بنک کے ذریعے دس لاکھ کی رقم ادا کر دی جائے گی اور ہاں۔۔۔۔۔۔۔''

ایجنٹ نے کان قریب لا کر کہا۔

''میری چار ہزار کی کمیشن کو بھلا نہیں دینا بھائی۔''

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''فکر نہ کرو مجھے یاد ہے۔''

''اچھا خدا حافظ' پندرہ دن بعد ملاقات ہو گی پھر۔''

جب وہ چلا گیا تو اس نے ماں سے کہا۔

"ماں یہ شخص کس بات کے چار ہزار مجھ سے ہتھیا رہا ہے۔"

ماں نے کہا۔

"بیٹا آخر اسی نے تو تمہیں ٹکٹ لا کر دیا تھا۔ کیا ہوا جو تم اسے چار ہزار دے دو گے۔ یہ اس دولت کا صدقہ ہی سمجھو۔"

وحید نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"یہ تو گدھا ہے۔ میں اس کو ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔"

عذرا بولی۔

"بھائی جان دس لاکھ کتنی رقم ہوتی ہے؟"

"اری تو اتنا نہیں جانتی۔ دس لاکھ پانچ لاکھ کا دوگنا ہوتے ہیں۔"

"تو اتنی ساری رقم ہم کہاں رکھیں گے؟"

"بنک میں۔"

"بھائی جان میرے لئے سونے کی بالیاں ضرور بنوائیں۔ مجھے بالیوں کا بڑا شوق ہے۔"

وحید نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"فکر نہ کرو بیٹی! میں تمہیں سونے کا ہار بھی بنوا دوں گا۔"

"نہیں بیٹا ہار نہیں بنوانا۔ یہ کہیں گنوا دے گی۔"

"اور بنوا دیں گے ماں۔"

"ارے واہ! تو کیا سارے پیسے اسی طرح ختم کرنے ہیں کیا؟"

"پھر کیا ہوا ماں۔ عذرا ہار گم نہیں کرے گی۔ کیوں عذرا؟"

"ہاں بھئی جان! میں اسے بڑی احتیاط سے رکھوں گی۔"

شام کو اسلم بھی آ گیا۔

اسلم، وحید اور عذرا بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ اسلم نے کہا۔

''وحید! اب تمہیں پہلے سے زیادہ عقل مندی' دانشمندی اور تجربے سے کام لینا ہو گیا۔ پندرہ دن کے بعد تم ایک دولت مند آدمی ہو گے۔'' ''اچھا یہ بتاؤ کیا تم ہم لوگوں کو بھول تو نہیں جاؤ گے؟''

وحید نے اسلم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو اسلم۔ میں اتنا نیچ نہیں ہوں کہ دولت مجھے اندھا کر دے اور میں اپنے دوست کو بھی نہ پہچان سکوں۔''

''ٹھیک ہے مگر دولت کا نشہ بڑا برا نشہ ہوتا ہے۔ وحید یہ بڑے بڑے خاندانیوں کا دماغ خراب کر دیتی ہے۔''

''میں ایسا خاندانی نہیں ہوں۔''

''تمہیں وہ پروگرام یاد ہیں نا؟''

''کیوں نہیں؟ میں اگلے مہینے کے پہلے ہفتے ہی اپنی گلی کی مرمت شروع کروا دوں گا اور بچوں کے پارک کے سلسلے میں زمین کی خریداری کی بات بھی شروع کر دوں گا۔''

اسلم نے کہا۔

''اور ہسپتال؟''

''ہسپتال بھی تعمیر کروا دوں گا۔ میرے خیال میں نہر کے پار والی زمین ہسپتال کے لئے ٹھیک رہے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

اسلم نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''مگر وہ مہنگی پڑے گی۔''

''کیوں؟''

''زرخیز زمین ہے نا۔''

''تو پھر پل کے پار والی زمین خرید لیں گے۔''

عذرا نے مسکرا کر کہا۔

کیا سارے پیسوں کی زمین ہی خرید لیں گے آپ؟''

ماں نے عذرا کو خاموش رہنے کو کہا۔ اسلم اور وحید کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وحید کو اسلم کا وجود وہاں ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسلم جلدی سے اٹھ کر چلا جائے اور وہ اپنے گھر والوں میں بیٹھ کر دس لاکھ

روپے کا پروگرام بنائے۔ جب اسلم چلا گیا۔ تو وحید نے اطمینان کا سانس لیا اور ماں سے کہا۔

”ماں! میں سب سے پہلے اپنے چچا کے مقابلے کا ایک بنگلہ خریدوں گا۔ میں ان لوگوں کو دکھلانا چاہتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے کم نہیں ہوں۔“

”بیٹا وہ تو تم سے ہمیشہ برابر کے بن کر پیش آئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماں! مگر میرا مطلب چچی اور اس کی لڑکی سے تھا۔“

”وہ تو گھٹیا لوگ ہیں ان کی باتیں چھوڑو“

”نہیں ماں میں بنگلہ ضرور خریدوں گا۔“

عذرا نے پوچھا۔

”بھائی جان ایک بنگلہ کتنے میں آ جائے گا؟“

”میرا خیال ہے دو ایک لاکھ میں مل جائے گا۔“

ماں نے کہا۔

”نہ بیٹا اتنے پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم یہاں بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔ ہم کسی اور جگہ نہیں جائیں گے۔ لوگ کیا کہیں گے؟“

وحید نے پوچھا۔

”کیا کہیں گے؟“

ماں نے کہا۔ ”یہی کہ ان لوگوں کے پاس دولت آئی تو آپے سے باہر ہو گئے۔

”پھر کیا ہوا۔ کہتے ہیں تو کہتے رہیں۔ دولت اگر ہمیں آرام نہیں پہنچا سکتی تو اس کا فائدہ ہی کیا۔ میں تو بنگلہ ضرور خریدوں گا اور تم سب لوگوں کو میرے ساتھ وہاں جا کر رہنا ہو گا۔“

”ناں بابا۔ میں تو نہیں جاؤں گی تم لوگ چلے جانا۔“

”کیوں ماں تم کیوں نہیں جاؤ گی؟“

”میں نے ساری زندگی اس گھر کی چاردیواری میں گزاری ہے۔ میں اس عمر میں اس گھر کو نہیں چھوڑنا چاہتی۔ یہ چاردیواری کیا

کہے گی؟ محلے والے کیا کہیں گے؟"

"ماں تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ لوگ جائیں جہنم میں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ خدا نے ہمیں دولت دی ہے۔ اگر ہم نے اس کا بھرپور فائدہ نہ اٹھایا تو کفران نعمت ہوگا۔"

عذرا نے کہا۔

"ٹھیک ہے ماں! ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے؟"

ماں نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"تو خاموش رہ عذرا! تو جانا چاہتی ہے تو بے شک چلی جا۔ میرا تو مرنا جینا اب یہاں ہوگا۔ میں اس گھر سے کیسے الگ ہو سکتی ہوں۔"

وحید پریشان ہوگیا۔ یہ دولت کی پہلی پریشانی تھی۔ بلکہ ایک طویل اضطراب اور پریشانیوں کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔

"لیکن ماں ہم اس مکان کو بھی اپنے پاس رکھیں گے۔ یہ اگر تمہاری ماں کی نشانی ہے تو ہم اسے فروخت نہیں کریں گے ہم اس میں تالا ڈال دیں گے۔ یہاں ہمارا ایک نوکر رہا کرے گا۔ وہ اس کی صفائی وغیرہ کرتا رہے گا۔ جب چاہے یہاں آ کر رہ جایا کرنا۔"

ماں نے رومال سے کیتلی اتار کر کہا۔

"اچھا دیکھا جائے گا۔ پہلے وہ وقت تو آ جائے۔"

لیکن وہ وقت آنے ہی والا تھا۔ بلکہ اس وقت نے اس گھر کے دروازے پر اپنی دستک دے دی تھی اور آنے والی دولت نے گھر میں اختلاف رائے کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس دوران میں وحید نے رضیہ کے گھر کی کھڑکی کی طرف ایک پل کے لئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے رضیہ کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اس کا ذہن آنے والی دولت کو استعمال کرنے کے پروگراموں میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اسے اور کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ شام کو رضیہ ان کے گھر آئی۔ اس نے وحید کی ماں کو مبارک باد دی۔ اب محلے کی دوسری عورتیں بھی مبارک باد دینے اور ان کی قسمت پر رشک کرنے کے لئے آنا شروع ہوگئیں تھیں۔ رضیہ باہر نکلنے لگی تو وحید نے اسے بلایا اور کہا۔

"آج رات کو میں آؤں گا۔"

رضیہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کیا تمہیں رات کو فرصت مل جائے گی؟''

وحید نے رضیہ کا بازو تھام کر کہا۔

''تم ایسی باتیں نہ کرو رضیہ۔''

رضیہ سمٹ سی گئی۔

''کوئی دیکھ لے گا۔''

اس کے بعد وہ جلدی سے بھاگ گئی۔

رات کو وحید نے بند کھڑکی پر دستک دی تو رضیہ نے بھی ادھر سے کھڑکی پر دستک دے کر اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ وحید اپنی چھت کی دیوار پھاند کر رضیہ کے مکان کی چھت پر آ گیا۔ رضیہ وہاں پہلے ہی سے کھڑی تھی۔ دونوں برتی کے نیچے چارپائی پر بیٹھ گئے۔ وحید نے سویٹر پہنا ہوا تھا۔ اور رضیہ نے گرم شال اوڑھ رکھی تھی۔ وحید نے رضیہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

''اب تو تم دولت مند ہو گئے ہو وحید! اب تمہیں میری کیا ضرورت ہو گی۔ اب تمہیں مجھ سے زیادہ حسین عورتیں مل سکیں گی۔''

وحید نے رضیہ کا منہ چوم کر کہا۔

''ایسی باتیں کر کے میری وفا کا مذاق نہ اڑاؤ رضیہ! میری محبت اپنے راستے پر گامزن ہو کر پیچھے ہٹنا نہیں جانتی۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔ دولت میرا دماغ خراب کر سکتی ہے لیکن میرے دل کو نہیں بدل سکتی۔ میرا دل ہمیشہ تمہاری یاد سے لبریز رہے گا۔''

رضیہ نے کہا۔

''کاش ایسا ہو۔ جانے کیوں مجھے اب اپنی محبت کا ڈر رہنے لگا ہے۔ سوچتی ہوں کہیں اس کا انجام خراب نہ ہو۔''

''وحید نے رضیہ کا ماتھا چوم لیا۔

''تم ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو رضیہ؟ تم کو مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں رہا۔ اب تو میرے پاس دولت ہے۔ اب تو میں بہت جلد اور بڑی آسانی کے ساتھ تم سے بیاہ کر لوں گا۔ تمہیں اپنے ساتھ بیاہ کر لے جاؤں گا۔ میں تمہارے لئے ایک بنگلہ بنواؤں گا جہاں تم میرے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرو گی۔''

رضیہ وحید سے لپٹ گئی۔

''تم بدل تو نہیں جاؤ گے وحید؟''

''ایسا کبھی نہیں ہو گا رضیہ۔''

رضیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مجھے تمہاری دولت کی ضرورت نہیں وحید اور نہ ہی تمہارا بنگلہ مجھے چاہیے۔ مجھے صرف اور صرف تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔ اگر تم میرے پاس ہو اور میرے ہو تو میرے لئے جھونپڑا بھی محل سے کم نہیں۔ لیکن اگر تم پاس نہیں ہو تو محل بھی جھونپڑے سے کم حیثیت رکھتا ہے۔ پھر میں محل کو لے کر بھی کیا کروں گی۔''

''فکر نہ کرو رضیہ! میں تمہیں نئے بنگلے میں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا۔''

رضیہ نے وحید کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وحید نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ لیکن اب اس کا ذہن رضیہ کی محبت کے خیالات سے نکل کر دس لاکھ کے پروگرام میں پھنسا ہوا تھا اور وہ انہی چکروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

رضیہ نے چادر کو سر پر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''لیکن وحید! تم تو کہا کرتے تھے کہ میں پارک بنواؤں گا۔ اسکول اور ہسپتال بنواؤں گا۔''

وحید نے رضیہ کو اپنی آغوش سے الگ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''آہستہ آہستہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ مگر پہلے روپے کو مناسب جگہ پر کاروبار میں لگانے کا بھی بندوبست ہو جائے۔ اس کے منافع سے یہ امدادی کام ہوں گے۔ اصل زر لگا یا تو سب کچھ برباد ہو جائے گا۔''

رضیہ نے حیران ہو کر کہا۔

''تم تو ایک ہی دن میں پورے کاروباری آدمی بن گئے۔''

وحید نے کہا۔

''یہ کاروباری پن نہیں ہے بلکہ عقلمندی ہے۔''

دوسرے روز وحید دفتر جانے لگا تو اس کا بالکل جی نہ چاہا کہ وہ دفتر جائے مگر مجبوراً اسے جانا ہی پڑا۔ کیوں کہ دفتر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اسے دفتر والوں کو ایک ماہ کا نوٹس دینا تھا اور ایک مہینہ پورا دفتر میں کام کرنا تھا۔ اس نے ڈیوڑھی میں پڑی اپنی پرانی سائیکل کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اسے باہر نکالا اور گلی میں سے گزرنے لگا۔ گلی کے دکانداروں نے اس کی طرف رشک بھری

نگاہوں سے دیکھا۔کئی ایک نے مبارکباد بھی دی۔وحید نے ہاتھ ہلا کر مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔کچھ لڑکیوں نے چقیں اٹھا کر وحید کو پرشوق نظروں سے دیکھا اور آہ بھر کر رہ گئیں۔انہی لڑکیوں میں ایک جگہ رضیہ بھی چق کے پیچھے سے وحید کو دیکھ رہی تھی۔گھر سے نکلتے ہوئے وحید نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔اب وہ گلی میں سے باہر نکلتے ہوئے اس کی طرف دیکھے گا اور ایک بار پھر مسکرائے گا۔لیکن اب اسے بھول گیا کہ اسے رضیہ کی طرف بھی دیکھنا ہے۔جب وہ گلی میں سے باہر نکل گیا تو اس کے گھر میں عذرا جیدی سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھنا میرے اتنے اچھے اچھے کپڑے آئیں گے کہ حیران رہ جاؤ گے۔''

اور اس کی ماں اسے ڈانٹ رہی تھی۔

''کم بخت تو چپ رہتی ہے یا نہیں؟''

پندرہ دن بعد لاٹری والوں کا ایجنٹ وحید کو اپنے ساتھ کمپنی کے دفتر میں لے گیا۔وہاں شہر کے کچھ معززین بھی مدعو تھے۔سٹیج بنا رکھا تھا۔میزوں پر چائے اور کھانے کا سامان لگا تھا۔وحید جب ایجنٹ کے ساتھ دفتر میں داخل ہوا تو لوگوں نے اسے پھولوں کے ہار پہنائے۔اس کا شہر کے مشہور اور امیر ترین لوگوں سے تعارف کرایا گیا۔آج سے وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو رہا تھا۔ہر آدمی نے خندہ پیشانی سے وحید کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ایجنٹ نے اپنی مختصر سی تقریر میں وحید کا مہمانوں سے تعارف کروایا۔اپنی کمپنی کی ایمانداری کی تعریف کی اور سب کے سامنے وحید کو چیک بک پیش کی اور اکاؤنٹ بک دی جس میں اس کے نام دس لاکھ روپے کی رقم بنک میں جمع کروادی گئی تھی۔

وحید نے اپنی بے ربط سی تقریر میں کھڑے ہو کر لوگوں کا اور کمپنی کا شکریہ ادا کیا۔خدا کا شکر ادا کیا۔جس نے اسے اتنی دولت سے ہمکنار کیا۔اکاؤنٹ بک اور چیک بک لے کر جیب میں ڈالی۔مہمانوں کے ساتھ مل کر چائے پی۔اخباروں کے نامہ نگاروں نے وحید پر سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔

''آپ ان روپوں کو کیا کریں گے؟''

''لوگ کیا کیا کرتے ہیں؟''

ایک اخبار نویس نے کہا۔

''بعض لوگ تو اسے عیاشیوں میں بھی ضائع کر دیتے ہیں۔''

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''تو آپ کو سن کر خوشی ہوگی کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔''

دوسرے اخبار نویس نے پوچھا۔

''پھر بھی آپ کے ذہن میں کچھ نہ کچھ تو پروگرام ضرور ہوگا۔''

''جی ہاں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں سب سے پہلے شہر کی مرمت طلب مسجدوں کی مرمت کے لئے چندہ دوں۔ اپنے محلے کی گلی کو ٹھیک کراؤں' ایک بچوں کے لئے پارک بنواؤں۔ ہسپتال تعمیر کرواؤں۔ اور اسی قسم کے دیگر فلاحی کاموں میں روپیہ استعمال کروں۔''

چاروں طرف سے مرحبا مرحبا کے نعرے بلند ہوئے۔ دوسرے روز اخباروں نے بڑی بڑی سرخیاں لگا کر اس بات کا اعلان کیا کہ ریلوے کا خوش قسمت کلرک جسے دس لاکھ روپیہ ملا ہے وہ شہر کی مسجدوں کی مرمت کروائے گا اور ہسپتال بنوائے گا اور بچوں کے لئے پارک تعمیر کروائے گا۔ محلے والوں نے جب اخبار پڑھا تو وحید کے ارادوں ک بڑی تعریف کی۔ لوگ جلوس بنا کر زندہ باد کے نعرے لگاتے اس کے گھر تک آ گئے۔ لوگوں نے وحید کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور دوسرے روز اسے محلے کا چودھری منتخب کر لیا گیا۔ وحید نے محلے والوں سے وعدہ کیا کہ وہ ایک فنڈ قائم کرے گا جس کی مدد سے محلے میں بچوں کا ایک سکول اور پارک اور ایک ہسپتال بنایا جائے گا اور وہ اس فنڈ میں اپنی طرف سے دس ہزار کا چندہ دے گا۔ لوگوں نے ایک بار پھر ''وحید زندہ باد' وحید زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔

اگلے روز وحید بنک پہنچ گیا۔ ابھی بنک کھلا بھی نہیں تھا کہ وحید اس کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ چوکیدار نے کہا۔

''ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے صاحب۔''

وحید ایک ہوٹل میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی جیب میں صرف چار آنے تھے۔ یہ مفلس کی جیب آدھ گھنٹے کے بعد ایک امیر آدمی کی جیب میں تبدیل ہونے والی تھی۔ اس نے تین آنے کی ایک پیالی چائے پی۔ ایک آنے کا سگریٹ لیا اور بیٹھ کر پیتا رہا۔ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں بیس ہزار روپے کا ایک چیک پڑا تھا جو اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ہی دھڑک رہا تھا اور جس پر اس کے اپنے دستخط تھے۔

آدھ گھنٹہ بعد وہ ہوٹل سے نکل کر باہر آیا۔ سگریٹ سڑک پر پھینکا اور بنک کی طرف چل پڑا۔ اب اس کی جیب بالکل خالی تھی۔ نہ کوئی پیسہ تھا اور نہ ہی کوئی سگریٹ! وہ گھر سے پیدل آیا تھا۔ اس خیال سے کہ واپسی پر وہ شاندار تانگے میں بیٹھ کر گھر آئے گا۔

بنک کھل گیا تھا اور کاروبار شروع ہو چکا تھا۔ وحید نے کاؤنٹر پر جا کر چیک دیا۔ کلرک نے چیک کو غور سے دیکھا۔ وحید کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے خیال آیا کہیں یہ سب کچھ محض فریب' ایک مذاق تو نہیں تھا۔ کہیں کلرک چیک واپس نہ کر دے' یہ کہہ کر کہ یہ تو جھوٹا چیک ہے' آپ کا تو بنک میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ پھر کیا ہوگا۔ پھر تو اس دنیا میں اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ لیکن جب کلرک نے چیک رکھ لیا اور اسے ٹوکن دے دی تو اس کی جان میں جان آئی پھر بھی وہ کاؤنٹر پر ایک طرف کھڑا اپنے چیک کا تعاقب کرتا رہا۔ دو تین جگہوں پر بڑے بڑے رجسٹر کھول کر کلرکوں نے اس چیک کو درج کیا اور کوئی آدھ گھنٹے بعد وہ واپس خزانچی کے پاس آ گیا۔

خزانچی نے چیک دیکھ کر کہا۔

"کتنے پیسے ہیں جناب؟"

"بیس ہزار"

وحید کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ قریب کھڑے دو تین آدمیوں نے وحید کے میلے سے پرانے کوٹ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ وحید نے گردن اوپر کر لی۔ گویا انہیں کہہ رہا ہو کہ یہ روپے میرے ہیں۔ یہ میں نے کمائے ہیں۔ اگر میری قسمت اچھی ہے تو آپ لوگوں کو کیا؟

خزانچی نے کہا۔

"سو سو کے نوٹ لیں گے یا دوسرے؟"

وحید کی سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے۔ اس نے یونہی کہہ دیا۔

"جی ہاں"

پھر اچانک اسے خیال آیا کہ سو سو کے نوٹ وہ کہاں بھنوائے گا؟

"جی ہاں! کچھ نوٹ روپے کے بھی دے دیں۔"

خزانچی سمجھ گیا کہ نیا نیا امیر بنا ہے۔ اس نے سو سو اور پانچ پانچ کی گڈیاں کاؤنٹر پر وحید کے سامنے رکھ دیں۔ وحید اپنے ساتھ ایک تھیلا لایا تھا۔ اس تھیلے میں وہ ریلوے کی راشن کی دکان پر سے کھانڈ اور دالیں لایا کرتا تھا۔ اس نے نوٹوں کو اٹھا اٹھا کر تھیلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے تھیلا بھر گیا۔ اس نے تھیلے کو اپنے سینے کے ساتھ لگایا اور بنک عمارت سے باہر نکل آیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں یوں پھٹی پھٹی تھیں جیسے اس نے کوئی محیر العقول منظر دیکھ لیا ہو۔

باہر آکر اس نے تانگہ لینے کی بجائے ایک ٹیکسی لی اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اسے خواہ مخواہ یہ وہم ستانے لگا کہ ٹیکسی والے کو معلوم ہوگیا ہے کہ اس کے پاس بیس ہزار روپیہ ہے اور وہ اسے لے کر فرار ہو رہا ہے۔ وہ ٹیکسی ایک ویران جگہ پر لے جا کر کھڑی کرے گا اور اسے چاقو دکھا کر ساری رقم لوٹ لے گا۔ وحید نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا اس خیال سے کہ جب وہ اس کے محلے سے گاڑی آگے نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دے گا۔ لیکن ٹیکسی والا ان باتوں سے بے خبر ٹیکسی چلائے جا رہا تھا۔ اس نے وحید کے محلے کے باہر لے جا کر گاڑی کھڑی کر دی۔ وحید کے چہرے پر اطمینان کی لہر آگئی۔ اس نے تھیلے میں سے سو کے نوٹوں کی ایک گڈی باہر نکال کر اس میں سے دو روپے نکال کر ڈرائیور کو دیئے۔ ڈرائیور نے جب نوٹوں کی گڈی دیکھی تو حیران سا رہ گیا۔ وحید جلدی جلدی گھر آگیا۔ گھر آکر اس نے مکان کا دروازہ جو پہلے کبھی بند نہیں کیا گیا تھا' بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا لی۔ کمرے میں آکر کمرے کا دروازہ بھی بند کر لیا۔ بی جلالی اور ماں اور عذرا کو پاس بلا کر سارے کے سارے نوٹ تھیلے میں سے نکال کر چارپائی پر ڈھیر کر دیئے۔ عذرا اور اس کی ماں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ماں نے پوچھا۔

"یہ کتنے روپے ہیں بیٹا؟"

"بیس ہزار"

عذرا نے پوچھا۔

"اور اب بنک میں ہمارے کتنے روپے رہ گئے ہیں؟"

"نو لاکھ اسی ہزار"

"یا اللہ خیر کرنا۔ یا اللہ ہمیں ہر آفت سے بچانا۔"

اس کی ماں نے آسمان کی طرف ہاتھ جوڑ کر کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مرغیاں بھاگ کر آنگن میں آگئی تھیں۔ وحید' عذرا اور جیدی کو ساتھ لے کر بازار خرید و فروخت کے لئے چلا گیا۔ اس نے جیب میں ایک ہزار روپیہ ڈالا۔ باقی روپیہ ماں کے سامنے ایک الماری میں بند کر کے رکھا اور ماں سے کہا کہ وہ پوری طرح چوکنی ہو کر بیٹھے اور گھر میں کسی کو داخل نہ ہونے دے۔ ماں نے کہا۔

"اب محلے کی عورتیں آجاتی ہیں تو کیا میں انہیں باہر نکال دوں۔"

وحید نے سر پکڑ کر کہا۔

''ماں خدا کے لئے گھر میں کسی کو داخل نہ ہونے دینا۔''

ماں خاموش ہوگئی۔ وحید نے عذرا اور جیدی کو ساتھ لیا اور تانگے میں سوار ہو کر انارکلی میں آ گیا۔

انارکلی میں آ کر وحید نے عذرا اور جیدی کے لئے بنے بنائے نئے کپڑے' نئے جوتے' مٹھائیاں' کا پیاں' پنسلیں' پھل' خشک میوہ' بستر کی نئی چادریں' کھیس' فرش کی دری وغیرہ خریدی اور پھر ایک ہوٹل میں جا کر وہاں سے بھنا ہوا پورا مرغ اور پلاؤ بندھوا کر ساتھ لیا اور گھر آ گیا۔

گھر آ کر اس نے ماں کی بڑی خوشی سے ساری چیزیں دکھلائیں۔ ماں نے دال چولہے پر رکھی ہوئی تھی۔ وحید نے کہا۔

''ماں یہ کیا تم دال پکا رہی ہو' اتار دو' اسے دیکھو میں تمہارے لئے مرغ پلاؤ لایا ہوں۔''

وحید نے مرغ پلاؤ کا پارسل اس کے سامنے کر دیا۔ ماں نے مسکرا کر کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا مگر میں دال ہی کھاؤں گی۔''

عذرا نے بڑی مسرت کے ساتھ ماں کو اپنے نئے کپڑے دکھلائے۔ جیدی نے فوراً گرم کوٹ پتلون پہن لی اور نیا جوتا پہن کر آنگن میں اکڑ اکڑ کر چلنے لگا اور مرغیوں کو چھڑی سے ڈرانے دھمکانے لگا۔ اس کے بعد انہوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔

شام کو اسلم بھی آ گیا۔ مگر اس گھر میں اس شام چائے نہ پکی۔ کیونکہ وحید کا خیال تھا کہ شام کی چائے باہر کسی شاندار ہوٹل میں جا کر پی جائے۔

اسلم نے کہا۔

''میرے خیال میں چائے گھر میں ہی پی جانی چاہیے۔''

وحید نے کہا۔

''نہیں یار باہر چل کر پئیں گے۔ ذرا کھلی ہوا لگے گی اور پھر ہوٹل میں سنا ہے بڑی شاندار چائے ملتی ہے۔ اب جب خدا نے ہمیں روپیہ دیا ہے تو ہم اس کی ہر نعمت کو چکھنا چاہتے ہیں۔''

اسلم نے کہا۔

''تم جاؤ بھائی میں تو نہیں جاؤں گا۔''

''تمہاری مرضی۔''

اسلم چپکے سے اٹھا۔سلام کیا اور باہر نکل گیا۔اسلم نے محسوس کیا کہ دولت کی دیوی کے گھر میں قدم رکھتے ہی ان کا چولہا ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔یہ اچھا شگون نہیں تھا۔

وحید اپنے لئے بھی نئے کپڑے لایا تھا۔اور ماں کے لئے بھی۔انہوں نے نئے کپڑے پہنے اور تانگے میں سوار ہو کر مال روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔مال روڈ کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں بیٹھ کر انہوں نے چائے پی۔یہ ہوٹل بڑا خوبصورت تھا۔وحید کی ماں نے سفید برقع اوڑھ رکھا تھا۔یہ لوگ کیبن میں بیٹھے تھے۔یہاں بیٹھ کر انہوں نے اتنا کھا لیا کہ رات کی بھوک بھی ختم ہو گئی۔عذرا نے تو کوئی دس پیسٹریاں کھائیں۔یہی حالت جیدی کی تھی۔ایک پیسٹری اس کے منہ میں ہوتی اور ایک ہاتھ میں۔رات کا کھانا انہوں نے یونہی بد مزگی سے کھایا۔کیوں کہ کسی کو بھی زیادہ بھوک نہیں تھی۔رات گئے تک وہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔وحید فکر مند تھا۔کیوں کہ اسے ڈر تھا کہ گھر میں جو روپیہ پڑا ہے اسے کوئی چرا کر نہ لے جائے۔ماں نے کہا۔

”بیٹا تم اتنا روپیہ بنک سے کیوں نکلوا لائے۔میری مانو تو اسے واپس بنک میں جا کر جمع کروا دو۔“

”لیکن ماں ہمیں روپے کی ضرورت ہے۔کیا بار بار بنک سے روپیہ نکلواتے رہیں گے؟“

”مگر اب اس روپے پر رات کو پہرہ کون دے گا۔“

”اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا“

”کیا بندوبست؟“

”میں اس علاقے سے بہت جلد باہر نکل جاؤں گا۔“

”وہ کیوں؟“

”میں جانتا ہوں یہاں لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں اور میرے روپے کی خاطر میری جان کی فکر میں ہیں۔یہاں تو سب چور اور ڈاکو رہتے ہیں ماں!“

”ایک ہی دن میں یہ لوگ شریف آدمیوں سے ڈاکو کیسے بن سکتے ہیں بیٹا۔کل تک تو یہ لوگ بڑے اچھے تھے۔“

”ٹھیک ہے ماں۔یہ اس لئے تھا کہ میں بھی ان جیسا مفلس اور قلاش تھا۔مگر آج میں ان سے بلند ہوں ان سے زیادہ امیر ہوں۔اور یہ لوگ ہر شے برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے سے زیادہ دولت مند کو برداشت نہیں کر سکتے۔“

”مگر باہر کہاں جا کر رہیں گے بیٹا؟“

''میں اسی مہینے کوئی کوٹھی خرید لوں گا۔''

ماں نے سر تھام لیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ اس گھر میں کوئی دنوں کی مہمان ہے اور اسے اپنے آباواجداد کے اس پرانے بوسیدہ مکان کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔

شام کو وحید اپنے چچا سے ملنے گلبرگ گیا۔

آج اس نے تین سو روپے کا نیلا سوٹ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں پچاس روپے کا سیاہ جوتا تھا۔ گلے میں نہایت اعلیٰ قسم کی ٹائی تھی۔ کوٹ میں سرخ گلاب کا پھول تھا اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر گلبرگ اپنے چچا کے ہاں گیا تھا۔ جب وہ ٹیکسی میں سے باہر نکلا تو نیلم کی ماں نے اسے دیکھا اور مسکرا کر قریب آئی اور اس کی بلائیں لینے لگی۔

''بیٹا تم تو خواب ہو گئے۔ کبھی آتے ہی نہیں۔ میں تمہارے چچا سے اکثر پوچھتی رہتی ہوں۔ آتے ہو انہی کو مل کر چلے جاتے ہو۔ بھلا ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے کیا؟ اور ہاں تمہیں لاٹری کی مبارک ہو۔ میں نے تو اخبار میں خبر پڑھی تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آؤ۔ آؤ۔ اندر آ جاؤ۔''

وحید کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ روپے کی قوت سے آہستہ آہستہ باخبر ہو رہا تھا۔ روپے نے دلوں کو ایک ہی آن میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ بھنچے ہوئے ہونٹ مسکرانے لگے تھے۔ ماتھے کی تیوریاں غائب ہو گئی تھیں۔ چہروں پر نفرت کی جگہ محبت آ گئی تھی۔

اس نے مسکرا کر کہا۔

''شکریہ چچی جان! لیکن میں ذرا چچا جان سے مل آؤں۔''

''آئے ہائے بیٹا! کیا ہم تمہارے کچھ نہیں۔ چلو اندر چلو۔ نیلم کل سے تمہیں یاد کر رہی ہے۔ وہ بھی کہتی تھی کہ ممی وحید تو ہمیں ایک بار بھی ملنے یہاں نہیں آئے۔''

وحید نے نیلم کا نام سنا تو اس کا جسم گرم سا ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی جا کر نیلم سے ملاقات کرے۔ وہ یہ بھول گیا کہ کل تک نیلم اس سے بات بھی کرنا گوارا نہیں کرتی تھی۔ لیکن حسن میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور نیلم حسین ہی نہیں تھی بلکہ جوان اور صحت مند بھی تھی۔ پھر بھی وہ چچا سے پہلے ملنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ بہانہ بنا کر وہاں سے ٹل گیا اور چچا کے کمرے میں داخل ہوا۔

چچا نے خندہ پیشانی سے ہاتھ ملایا اور وحید کے نئے کپڑے دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور بولا۔

''میں جانتا تھا کہ تم ضرور مجھ سے ملنے آؤ گے۔ میں نے اخبار میں تمہارے انعام کا پڑھ لیا تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے بیٹا۔ خدا

نے تمہاری پریشانیاں دور کر دی ہیں۔ اب تم آزادی اور اطمینان سے بیٹھ کر اپنے گھر والوں کی خدمت کر سکتے ہو۔"

وحید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب آپ کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا نتیجہ ہے چچا جان۔"

"نہیں بیٹا! یہ خدا کی دین ہے۔ خدا بے نیاز ہے۔ وہ جسے چاہے دولت مند اور جسے چاہے بھکاری بنا دے۔ اس کے در پر بھلا کس چیز کی کمی ہے۔ اب تم اس روپے کو بربادی سے بچانا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم بری صحبت میں پڑ کر صرف دولت ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کو بھی برباد کر دو۔"

وحید نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں چچا جان ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

ادھر جب نیلم کی ماں کو معلوم ہوا کہ وحید چچا کے کمرے میں موجود ہے تو اس نے نیلم کو فوراً نئے کپڑے پہنا کر اس کمرے کی طرف روانہ کر دیا۔ وحید اپنے چچا سے باتیں کر رہا تھا کہ نیلم کمرے میں داخل ہوئی۔

نیلم نے بڑا بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے بازو اوپر تک ننگے تھے۔ بھرے بھرے ہاتھی دانت ایسے گول گول صحت مند بازو۔ نیلم وحید کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ وحید نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے کان کی لویں گرم ہو کر دہکنے لگیں۔ وہ بھول گیا کہ نیلم نے اسی کمرے میں اس کے کوٹ کا مذاق اڑایا تھا۔ پھر بھی وہ نیلم سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ نیلم نے اندر آ کر کہا۔

"مبارک ہو وحید صاحب! آپ کے انعام کی خبر تو ہم سبھوں نے بڑی مسرت سے سنی۔ ممی نے تو اسی دن کہہ دیا تھا کہ یہ انعام صرف آپ ہی کو مل سکتا تھا۔"

وحید نے یونہی کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ ہمارے خاندان میں سے ہیں اور ہمارے خاندان کا ہر فرد خوش قسمت ہوتا ہے۔"

نیلم نے یہ جملہ کچھ اس شان سے ادا کیا اور ساتھ ہی وہ کچھ اس انداز سے مسکرائی کہ وحید کے ہوش و حواس پر بجلی سی گر پڑی۔ اس نے مسکرا کر نیلم کی طرف دیکھا۔ نیلم نے آنکھ کے اشارے سے اسے باہر بلایا جیسے کہہ رہی ہو۔

"آؤ نا باہر! کہاں بیٹھے ہو تم؟"

وحید نے بھی آنکھ کے اشارے سے اسے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں نیلم باہر نکل گئی۔ چچا نے کہا۔

"سب سے زیادہ ان لوگوں سے بچ کر رہنا۔ یہ لوگ تمہاری سب سے زیادہ تعریفیں کریں گے۔ اپنا سب سے بہترین رشتہ دار بنائیں گے۔ مگر تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ کل تک یہ لوگ تمہیں نفرت سے دیکھتے تھے۔ اور تم سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اسے اپنی توہین سمجھتے تھے۔"

"میں ان باتوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا چچا جان!"

لیکن حقیقت یہ تھی کہ وحید کا دل و دماغ بدل چکا تھا۔ وہ نیلم کو پسند کرتا تھا۔ اور نیلم اپنے آپ اس کے پاس آ گئی تھی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کل تک نیلم اس کی کیا تھی اور وہ اسے کیا سمجھتی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ نیلم اپنی بھرپور جوانی' حسن اور نیلگوں آنکھوں اور مسکراتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس کے پاس آ گئی تھی' اسے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

چچا کے کمرے سے جب وہ نکل کر باہر برآمدے میں آیا تو اس نے نیلم کو اپنا منتظر پایا۔ نیلم نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کے نیلے سوٹ کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔ وحید کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر نیلم نے کہا۔

"بھئی آپ تو اب بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ آتے ہیں تو ہم سے کبھی بات ہی نہیں کرتے۔ میں آپ کو اپنا کمرہ دکھاؤں۔ میں تو بدذوق سی لڑکی ہوں۔ بھلا بتایئے تو مجھے اپنا کمرہ کس طرح سجانا چاہیے۔ نیلم وحید کو لے کر کمرے میں آ گئی۔ کمرہ کیا تھا بس کسی نواب زادی کا حجلہ عروسی معلوم ہو رہا تھا۔ ریشمی گدیلوں اور تکیوں والا ایک خوبصورت بستر لگا تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ معیار کی تصویریں لگی تھیں۔ سرخ رنگ کا ماڈرن وضع کو صوفہ پڑا تھا۔ کھڑکیوں پر ریشمی پردے پڑے تھے۔ تپائی پر ہاتھی دانت کا تاج محل اور اسی قسم کی دوسری بیش قیمت اشیاء رکھی تھیں۔ ایک طرف ریڈیو گرام تھا۔ دوسری جانب سنگار دان' سنگھار کی اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ فضاء میں میٹھی میٹھی خواب انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وحید پر ایک خواب انگیز کیفیت طاری ہو گئی' وہ تو جیسے جنت کے کسی ٹکڑے میں آ گیا تھا۔ اس نے ایک ایک تصویر کو دیکھا اور نیلم کے ذوق کی تعریف کی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ نیلم بھی اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔

نوکرانی اسی وقت چائے لے آئی۔ نیلم نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر وحید کو دی۔ وحید شکریئے کے ساتھ چائے پینے لگا۔ نیلم نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔

"آپ کو کون سی تصویر پسند آئی؟"

''ساری تصویریں اچھی ہیں۔ ویسے مجھے وہ تصویر زیادہ پسند ہے جس میں ایک زخمی چیتے کو ہرنی کے آگے دوڑتے دکھایا گیا ہے۔''

نیلم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ اس کے قہقہے کی آواز میں بڑی موسیقی تھی۔ وحید کو یوں لگا جیسے کوئی رقاصہ گھنگرو چھنکاتی اس کے پاس سے گزر گئی ہو۔

''یہ تصویر تو بڑی بے معنی تصویر ہے۔ مجھے تو صرف اس کی بیک گراؤنڈ کا جنگل پسند تھا سو میں نے لگالی۔ بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ چیتا ہرنی سے بھاگ جائے۔

وحید نے نیلم کی طرف گہری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔''

نیلم ایک بار پھر ہنس پڑی۔ اتنے میں اس کی ماں اندر آ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

''خیر سے چائے پی رہے ہو۔ پیو بیٹا۔ یہ تو تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ نیلم اری وہ کچوریاں بھی تو منگوا لو جو تم نے ریفریجریٹر میں رکھی ہیں۔''

وحید نے کہا۔

''جی نہیں شکریہ! میں اب کچھ نہیں کھاؤں گا۔''

''اے ہے بیٹا کیوں؟ خیر سے جوان ہو اور کھاؤ نا۔ نیلم تم تم کھلاؤ نا وحید صاحب کو۔''

نیلم نے کہا:

ممی وہ تو میری بھی نہیں مانتے۔ انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔''

اس کے بعد انہوں نے مل جل کر وحید کو مجبور کر دیا کہ وہ کچوریاں ضرور کھائے۔ پھر مکار چچی نے پوچھا۔

''بیٹا! بھابی جان کا کیا حال ہے؟ کیسی بدنصیب ہوں کہ کبھی ان کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ کئی بار سوچا کہ وہاں جا کر ان سے خود ملوں۔ مگر تم جانتے ہو کہ یہاں کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

کوئی ایک گھنٹہ وہاں بیٹھنے کے بعد وحید وہاں سے چل پڑا۔ نیلم اسے چھوڑنے باہر دروازے تک آئی۔ باہر ٹیکسی ابھی کھڑی تھی۔

نیلم نے کہا۔

''اسے چھوڑ دیجئے۔میری گاڑی آپ کو گھر تک چھوڑ آئے گی۔''

وحید نے کہا۔

''جی نہیں شکریہ! میں اسی میں چلا جاؤں گا۔''

اور دل میں وحید نے کہا کہ فکر نہ کرو۔تھوڑے دنوں بعد میرے پاس بھی ایک کار ہوگی اور میری کار تمہاری کار سے دوگز زیادہ لمبی ہوگی اور تم اسے دیکھ کر اپنی کار کو بھول جاؤ گی۔ جاتے جاتے نیلم نے وحید سے وعدہ لے لیا کہ وہ شام کو اس کے ساتھ شیزان میں چائے ضرور پیئے گا۔وحید نے بھی وعدہ کر لیا۔وہ خود ایسے موقع کا منتظر تھا۔اسے دولت مل جانے کی سب سے بڑی خوشی تو یہ تھی کہ نیلم پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود اس کی جھولی میں آن گری تھی۔

شام کو اس نے دوسرا سوٹ پہنا اور شیزان جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔اس وقت گھر میں روز کی طرح اسلم بھی موجود تھا۔اور چولہے پر ماں نے چائے کی کیتلی رکھ دی تھی اور عذرا میز پر چائے کی پیالیاں لگا رہی تھی۔اب چائے کا نیا سیٹ آگیا تھا۔اسلم نے پوچھا۔

''کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟''

''یار ایک دوست نے چائے پر بلایا ہے۔''

اسلم نے کہا۔

''ٹھیک ہے بھائی اب تمہارے نئے دوست آگئے ہیں۔اب تمہیں پرانے دوستوں کی کیا ضرورت ہے۔''

وحید نے کہا۔

''نہیں اسلم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔دوست وہ بھی پرانا ہی ہے اس نے بہت مجبور کر دیا اور وعدہ لے لیا۔بس آدھ گھنٹے میں واپس آجاؤں گا۔''

وحید نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر بھی چائے کی ایک پیالی پی۔مگر بڑی بے دلی سے پی ایسے جیسے کسی کو ڈیوٹی پر جانا ہو اور وہ جلدی جلدی چائے حلق میں انڈیل رہا ہو جب وحید چلا گیا تو اسلم نے کہا۔

''ماں جی اب وحید جو کہ میرا دوست تھا میرے ہاتھ سے گیا اب اس کے نئے نئے دوست بنیں گے۔''

ماں نے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہونی چاہیے بیٹا۔ میرا خیال ہے وحید تمہیں نہیں بھلا سکتا۔ تم اس کے اچھے دوست ہو۔''

''ٹھیک ہے ماں جی مگر مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اب اس نے ہم لوگوں کو دل سے نکال دیا ہے۔ مجھے تو اس دولت سے ڈر لگنے لگا ہے۔ خدا خیر کرے۔ اچھا میں چلا۔''

اسلم نے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

وحید جب ٹیکسی میں سوار ہو کر شیزان کے باہر پہنچا تو وہاں نیلم نجم کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ نیلم نے نجم سے اس کا تعارف کروایا اور دونوں خندہ پیشانی سے ملے۔ وحید کے دل میں تھوڑا سا حسد پیدا ہوا۔ لیکن نجم نے اس قسم کے کسی بھی جذبے کو محسوس نہ کیا۔ کیوں کہ وہ نیلم سے بالکل محبت نہیں کرتا تھا۔ وہ تو صرف سوسائٹی میں اس کی مقبولیت اور اس کے پیسے کے لئے اس سے ملتا تھا اور اب وحید کے پیسے کے لئے وحید سے مل رہا تھا۔

تینوں ہوٹل کے اندر جا کر بیٹھ گئے۔ نیلم نے کہا۔

''نجم صاحب آپ کو شاید معلوم نہیں وحید کو پینٹنگ کا بڑا اعلیٰ ذوق ہے۔''

اچھا؟'' نجم نے اپنا ریچھ ایسا سر ہلا کر کہا۔

''جی ہاں! انہوں نے میرے کمرے میں لگی ہوئی ایک ایسی تصویر کی تعریف کی جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور جس کے بارے میں سب نے یہی کہا تھا کہ یہ تصویر ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

نجم نے سر ہلا کر کہا۔

''اجی ماشاءاللہ پڑھے لکھے نوجوان ہیں اور پھر اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر انہیں ایسا ذوق نہیں ہوگا تو اور کسے ہو گا؟''

وحید سمجھ گیا کہ نجم اس کی خوشامد کر رہا ہے۔ ابھی دولت نے اس کے ضمیر کو پوری طرح مردہ نہیں کیا تھا۔ ابھی اسے نیک اور بد کی تمیز تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آنے والا تھا جب اسے ان باتوں کی کوئی تمیز نہ ہوگی' جب وہ ہر خوشامد کرنے والے کو اپنا بہترین دوست اور ہمدرد سمجھے گا۔ اور اسے اپنے ساتھ رکھا کرے گا۔ لیکن ابھی مٹی میں تھوڑا سا نم باقی تھا۔ ابھی راکھ میں چند ایک چنگاریاں باقی تھیں۔ چنانچہ وحید نے کہا۔

''نہیں صاحب! نہ تو میں اتنا پڑھا لکھا ہوں اور نہ ہی کوئی میرا اونچا خاندان ہے۔ ہاں ذوق ضرور رکھتا ہوں۔''

اس پر نیلم نے پریشان ہو کر کہا۔

''کیسی بات کرتے ہیں وحید صاحب! آپ ہمارے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا خاندان یقیناً ایک اونچا خاندان ہے اور پھر آپ کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے۔''

نجم نے فوراً نیلم کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں' کیوں نہیں۔ وہ تو آپ کی باتیں ظاہر کر رہی ہیں۔''

میز پر انواع و اقسام کی کھانے کی چیزیں پڑی تھیں۔ ایسے ایسے عجیب شکلوں والے کیک کے ٹکڑے پڑے تھے جنہیں اس سے پہلے وحید نے نہیں دیکھا تھا۔ چائے اس قدر خوشبودار تھی کہ وحید کو نشہ سا آ گیا۔ ادھر نیلم نے آج بالوں کا جوڑا سا بنا رکھا تھا اور اس جوڑے میں نرگس کے پھول سجائے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور آنکھیں گہری جھیلیں معلوم ہو رہی تھیں۔ وحید کو اچانک رضیہ کا خیال آ گیا۔ اس وقت رضیہ اسے بڑی معمولی سی لڑکی محسوس ہوئی۔ بیمار' کمزور چپ چاپ اور بے جان سی لڑکی۔ جس کا نیلم سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ نیلم نے محسوس کیا کہ وحید اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ ناز و انداز سے کام لینے لگی۔ کبھی ترچھی نظروں سے وحید کو دیکھتی۔ کبھی بڑے دلکش انداز میں بات کرتی' کبھی گردن کو ایک طرف جھکا کر وحید کی باتیں غور سے سنتی اور کبھی اس کی طرف دیکھ کر انداز دلربائی سے مسکرا دیتی۔ وحید کے دل پر یہ نخرے بڑا کام کر رہے تھے۔ وہ نیلم کے دام میں پوری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ اصل میں وہ نیلم کا پہلے روز ہی سے شیدائی تھا اور اسے کسی نہ کسی طرح مغلوب کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات تو اس کے وہم میں بھی نہیں تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب نیلم خود بخود اس کی طرف آئے گی اور اس سے التفات کی طالب ہو گی۔

چائے کی محفل ختم ہو گئی۔ یہ لوگ ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ باہر رات پورے جوبن پر تھی۔ اور مال روڈ کی دکانوں میں برقی قمقمے خوب روشنی دے رہے تھے۔ سڑک پر کاریں آ جا رہی تھیں۔ لوگ روم کپڑوں میں ملبوس خوشبو اڑاتی عورتوں کے ساتھ ادھر ادھر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ نجم وہیں سے جدا ہو گیا۔ نیلم نے وحید کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور خود کار ڈرائیو کرتی ہوئی مال روڈ پر آ گئی۔

وحید نے کہا۔

''کافی دیر ہو گئی''

نیلم نے مسکرا کر کہا۔

''ابھی تو دس بھی نہیں بجے''

''جی ہاں! مگر میں تو دس بجے رات ہمیشہ گھر پر ہوتا ہوں۔''

نیلم نے کہا۔

''دس بجے تو صرف بوڑھے لوگ بستر پر دراز ہوتے ہیں۔آپ ایسے نوجوانوں کی تو دس بجے رات شروع ہوتی ہے۔''

وحید نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لگایا اور دھواں اڑا کر بولا۔

''ٹھیک ہے لیکن میں ان نوجوانوں میں سے نہیں ہوں۔''

نیلم نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

''اب آپ کو اپنے پرانے انداز کو بدل دینا چاہیے۔مسٹر وحید۔۔۔۔۔۔''

''کیوں؟ اب کیا بات ہے؟''

''اب آپ ایک مجبور اور بے بس انسان نہیں ہیں۔اب آپ کے پاس روپیہ ہے۔دولت ہے۔آپ جب چاہیں اور جہاں چاہیں رات بسر کر سکتے ہیں۔یہ پرانی باتیں اب آپ کو زیب نہیں دیتیں۔''

وحید نے آہستہ سے کہا۔

''دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے نیلم مگر ایسا کر نہیں سکتا۔ماں جی میری راہ دیکھتی رہتی ہیں۔جب تک میں گھر نہ جاؤں انہیں نیند نہیں آتی۔''

نیلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اگر کوئی دوسری لڑکی آپ کی راہ دیکھنے لگی اور اسے بھی آپ کو دیکھے بغیر نیند نہ آئی تو آپ کیا کریں گے؟''

وحید نے مسکرا کر کہا۔

''اس وقت دیکھا جائے گا۔''

نیلم نے کار کی رفتار تیز کر دی۔

''گاڑی سٹیشن کی طرف کر لیجیے۔''

''بہت اچھا''

جب وحید اپنے بازار کے موڑ پر گاڑی سے اترنے لگا تو نیلم نے کہا۔

''پھر کب ملاقات ہوگی آپ سے؟''

''جب آپ چاہیں''

وحید بھی نیلم کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ لذت یاب ہونا چاہتا تھا۔ اسے بھی نیلم کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ نیلم نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

''تو کل شام میں شیزان میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

وحید نے کہا۔

''نجم کے ساتھ۔''

نیلم نے ہنس کر کہا۔

''نہیں اکیلی''

اور ایک دم گاڑی سٹارٹ کر کے وہاں سے چلی گئی۔

وحید چوک پر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ گھر میں سب سو گئے تھے۔ صرف اس کی ماں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ وہ چولہے کے پاس گرم چادر اوڑھے بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ دروازے کی آواز پر وہ اٹھی' اس نے دروازہ کھولا اور وحید کو دیکھ کر خوشی سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''بیٹا تم اتنی دیر کبھی گھر سے باہر نہیں رہے۔ میں تو پریشان ہو رہی تھی کہ خدا خیر کرے۔''

وحید نے اندر جا کر کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔

''ماں دو ایک دوستوں نے زبردستی بٹھا لیا۔ انہوں نے اتنی خاطر داری کی کہ میں اٹھ نہ سکا۔''

''بیٹا پہلے تو تمہارے کبھی اتنے دوست نہ تھے۔ پہلے تو کبھی کسی نے اتنی رات گئے تک تمہیں اپنے پاس نہ رکھا تھا۔ اب یہ لوگ تمہاری خاطر داری کیوں کرنے لگے ہیں؟''

وحید نے کہا۔

''ماں اب میں زیادہ مشہور آدمی ہوگیا ہوں''

ماں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

”یہ بات نہیں بیٹا بلکہ یوں کہو کہ اب تم دولت مند ہو گئے ہو۔اور لوگ تمہاری دولت کی وجہ سے تم سے محبت کرنے لگے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماں مگر کیا کیا جائے دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان باتوں کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔“

ماں نے چنگیر میں سے روٹی نکالتے ہوئے کہا۔

”لو اب کھانا کھالو۔“

”کیا پکا ہے ماں؟“

”مونگرے!“

”گوشت نہیں ہے ساتھ؟“

”آج ناغہ تھا بیٹا۔“

”تو مرغی پکالی ہوتی۔“

”اتنے پیسے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے بیٹا۔ پہلے بھی ناغے کے روز گوشت کے بغیر ہی سبزی پکتی تھی۔“

وحید نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے ماں! مگر ناغے کے روز بھی گوشت پکنا چاہیے۔“ ماں نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”تمہیں کیا ہونے لگا ہے وحید۔ پہلے تو تم کبھی ایسی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔“

”پہلے حالات دوسری قسم کے تھے ماں۔ اب وہ حالات نہیں ہیں۔“

”بیٹا! ہمیں ہر حالات میں خدا سے ڈرنا چاہیے اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔“

وحید نے جھلا کر کہا۔

”تو کیا ہماری چادر اتنی بڑی نہیں ماں کہ ہم مرغی پکا سکیں؟“

”میں ایسا نہیں سمجھتی۔“

”لیکن میں ضرور سمجھتا ہوں۔“

”اچھا اب یہ باتیں چھوڑو کھانا کھالو۔“

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

یہ پہلی رات تھی کہ الماری میں اٹھارہ غیس ہزار روپے کے ہوتے ہوئے وحید بھوکا ہی سویا۔ لیکن خیر اس نے نیلم کے ساتھ ہوٹل میں اتنا کچھ کھا لیا تھا کہ اسے آدھی رات تک بھوک محسوس نہ ہوئی۔ آدھی رات کے بعد اسے بھوک لگی تو اس نے اٹھ کر الماری کھولی۔ صندوقچی کا ڈھکنا اٹھا کر نوٹوں کی سبز سبز گڈیوں پر ایک نظر ڈالی اور آنکھیں بند کر کے خوشی اور اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی بھوک جاتی رہی۔ معدہ بھرا بھرا محسوس ہونے لگا۔ وہ آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ مگر نیند کوسوں دور تھی۔ وہ اگلے روز شام کو نیلم سے ملاقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے وہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔

وہ بستر پر سے اٹھا اور گرم چادر اوڑھ کر باہر آنگن میں آ گیا۔ آنگن کی دیوار والی کھڑکی بند تھی۔ دیوار کے اوپر چڑھی ہوئی عشق پیچاں کی بیل کے پتے جھڑ رہے تھے۔ زمین پر گرے ہوئے زرد پتوں پر شبنم گر رہی تھی۔ سردی بہت تھی۔ ساتھ والے مکان پر گہری خاموشی طاری تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے رضیہ کے بارے میں سوچا۔ اسے یہ بات عجیب سی لگی کہ وہ بیاہ کر کے رضیہ کو اپنے نئے بنگلے میں لے جائے گا اور ساری عمر اس کمزور سی بیمار سی لڑکی کی خدمت کرتا رہے گا۔ اسے تو نیلم ایسی صحت مند، فیشن ایبل، بھرپور اور ماڈرن لڑکی کی ضرورت ہے۔ جس نے بالوں کے جوڑے میں نرگس کے پھول سجا رکھے ہوں۔ رضیہ نے تو کبھی اپنے بالوں میں پھول نہیں لگایا۔ اس کے پاس سے تو کبھی کسی عطر کی خوشبو نہیں آئی۔ اسے رضیہ ایک بے حقیقت اور معمولی سی لڑکی نظر آنے لگی۔ اس کا اس آنگن میں اور گلیوں میں دم گھٹنے لگا۔ اس نے نظر اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ مگر وہ بڑے زرد زرد نظر آ رہے تھے۔ اسے یہ ستارے بیمار نظر آئے۔ اسے اپنی گلی کا آسمان محدود اور غلیظ معلوم ہوا۔ اس کا جی بے اختیار اس آسمان کو خیرباد کہہ کر ایک انتہائی وسیع اور کشادہ اور گہرے نیلے آسمان کی تلاش میں جنگل جانے کو چاہا۔ رضیہ کے ساتھ رہ کر وہ کنویں کا مینڈک بننے کے علاوہ اور کچھ نہ بن سکے گا۔ وہ تو اس کی دولت کی مالکہ بن کر بیٹھ جائے گی۔ وہ بڑی خوشی سے اس کے ساتھ شادی کر لے گی۔ اور اس کا باپ بھی اس کی دولت کا شریک بن بیٹھے گا۔ اس کے مقابلے میں نیلم کے پاس پہلے ہی سے کافی دولت ہے۔ اور وہ وحید کی دولت کے لئے اس سے کبھی شادی نہیں کرے گی۔ وحید کے دل میں نیلم کا خیال ایک خوبصورت نیم عریاں عورت کی شکل میں پیدا ہوا اور اس نے گہرا سانس لے کر فیصلہ کر لیا کہ وہ نیلم کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کرے گا۔

شام کو نیلم شیزان میں وحید کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے بہترین لباس زیب تن رکھا تھا۔ بالوں کے جوڑے میں گلاب کی سفید

کلیاں سجا رکھی تھیں۔ نیلے رنگ کی ساڑھی کے ساتھ گہرے سرخ رنگ کی شال اوڑھ رکھی تھی۔ ہونٹ انار کی طرح سرخ ہو رہے تھے۔ آنکھوں پر پلکیں گہری گہری ہو رہی تھیں۔ اس نے وحید کو اپنی طرف آتا دیکھا تو مسکرائی۔ وحید ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں تک آیا تھا۔ اس نے براؤن رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور کوٹ کے کالر میں سرخ گلاب کی کلی سج رہی تھی۔ وحید نیلم کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ نیلم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تھا تم بھول گئے ہو گے۔''

''کیسے بھول گیا ہوں گا؟''

''اس ملاقات کے ٹائم کو۔''

''کیا تمہارے خیال میں ایسا ہو سکتا ہے؟''

نیلم نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

''مصروف انسان کے لئے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو یاد رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔''

وحید نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''میں کتنا بھی مصروف کیوں نہ ہو جاؤں مگر نیلم کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے ٹائم کو کبھی نہیں بھول سکتا۔''

نیلم نے خوش ہو کر پلکیں جھپکائیں اور پوچھا۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''میں نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔''

''پھر تو میں بڑی خوش قسمت ہوں۔''

وحید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ نیلم کو حقیقت میں وحید کی زبان سے یہ جملہ سن کر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اسے اپنا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چائے بنا کر وحید کو دی۔ وحید نے چسکی لے کر نیلم کو مسکراتے ہوئے کہا۔

''آج تم بڑی خوبصورت نظر آ رہی ہو۔''

نیلم اس فقرے پر شرمانے کی بجائے کچھ حیران سی ہوئی۔ کیونکہ اسے یقین نہیں تھا کہ وحید اتنی جلدی اس سے محبت کا اظہار شروع کر دے گا۔ لیکن وحید تو نیلم کو اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ اسے اس بات کا بھرپور یقین تھا کہ نیلم اس سے محبت نہ کرتے

ہوئے بھی اس سے الگ ہونا گوارا نہیں کرتی۔اور وحید یہی چاہتا تھا۔وہ بھی نیلم سے محبت نہیں کرتا تھا۔لیکن وہ سب کچھ کرنا چاہتا تھا' جو محبت کرنے والے محبت کی وجہ سے کیا کرتے ہیں۔وہی فعل وہ دولت کی وجہ سے کرگزرنا چاہتا تھا اور اس دنیا میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔

''چینی کم تو نہیں وحید صاحب؟''

نیلم نے پوچھا۔

وحید نے کہا۔

''جب تم چائے بناتی ہو نیلم تو چینی نہ بھی ڈالو تو چائے میٹھی ہو جاتی ہے۔''

''وہ کیسے؟''نیلم نے جان بوجھ کر بھولی بن کر پوچھا۔

''کیونکہ تمہاری انگلیوں میں شہد بھرا ہے۔''

نیلم ایک بار پھر بناوٹی انداز میں شرما گئی۔وحید کو نیلم کی یہ شرم بڑی پیاری لگی۔اس کا دل چاہا کہ وہ اسے گلے سے لگا لے۔نیلم کے ریشمی کپڑوں سے اعلیٰ عطر کی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی۔چائے کے بعد وحید نے نیلم کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔نیلم کار میں بیٹھ گئی۔ وحید بھی اس کے ساتھ ہی گاڑی میں سوار ہو گیا۔نیلم نے پوچھا۔

''اب کدھر کا ارادہ ہے؟کیا گھر جائیں گے آپ؟''

وحید نے نیلم کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولا۔

''آج گھر جانے کو جی نہیں چاہ رہا!''

''پھر کدھر چلیں؟''

''میں تمہیں بتاتا ہوں۔''

وحید نیلم کو لے کر مال روڈ کی ایک عالیشان دکان میں لے آیا۔آج اس نے گھر سے نکلتے ہوئے جیب میں ایک ہزار کے نوٹ رکھ لئے تھے۔اس نے اس دکان میں سے نیلم کے لئے ایک بیش قیمت پیلے رنگ کی ساڑھی خریدی۔ایک سنگھار بکس اور عطر کی بڑی شیشی خریدی۔نیلم نے کہا۔

''آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔وحید صاحب؟''

''کوئی بات نہیں نیلم!یہ تو میں اپنی خوشی کے لئے کر رہا ہوں۔''

چنانچہ وحید نے اپنی خوشی کی خاطر نیلم کو کوئی پانچ سو روپے کی چیزیں خرید کر دے دیں۔ پھر وہ گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے چل پڑے۔

''اب میں گھر جاؤں گا۔''

''نہیں اب میں آپ کو جانے نہیں دوں گی۔''

''پھر کیا کریں گے؟''

''آپ میرے ساتھ ہمارے ہاں چلئے۔''

''وہاں گلبرگ؟''

''ہاں''

''وہاں کیا ہوگا؟''

''میری خوشی کے لئے آپ ایسا نہیں کر سکتے؟ بس پانچ منٹ کے بعد چلے آیئے گا۔''

وحید اصل میں چچا سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ وہ جس راستے پر چل نکلا تھا یہ راستہ اس کے چچا کی نصیحت کے خلاف تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے چچا سے آنکھیں چار کرے اور انہیں اس بات کا موقع ملے کہ وہ وحید سے اس کی موجودہ زندگی کے بارے میں سوال کر سکیں۔ اس نے نیلم سے کہہ ہی دیا۔

''بات دراصل یہ ہے نیلم کہ میں وہاں اپنے چچا جان سے نہیں ملنا چاہتا۔''

''کیوں؟''

''میں ان سے ڈرتا ہوں۔''

نیلم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''جب تو آپ کو ضرور چلنا چاہیے۔ اچھا دیکھئے۔ آپ میرے کمرے میں رہئے۔ وہاں آپ کو کوئی نہ دیکھ سکے گا۔''

وحید انکار نہ کر سکا۔ وہ انکار کرنا بھی نہیں چاہتا تھا وہ صرف چچا جان کی وجہ سے وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا کہ چچا جان تو ہمیشہ اپنے کمرے میں بند رہتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو نیلم کے کمرے میں ہوگا اور پھر نیلم اس کے ساتھ ہوگی۔ نیلم۔۔۔۔۔۔ جس کے ساتھ رہنے کے کبھی وہ صرف خواب ہی دیکھا کرتا تھا۔ آج اس کے سارے خواب حقیقت کا روپ دھار

رہے تھے۔آج وہ ساری باتیں ایک ایک کر کے سچ ثابت ہو رہی تھیں۔جن کے بارے میں وہ کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔

کوٹھی میں پہنچ کر نیلم نے بڑے اشتیاق کے ساتھ اپنی ممی کو وہ تمام تحفے دکھائے جو وحید نے نیلم کے لئے خریدے تھے۔نیلم کی ماں کی باچھیں کھل گئیں۔اس کے خواب بھی سچ ثابت ہو رہے تھے۔اس نے وحید کی بلائیں لیں اور بولی۔

"بیٹا تم نے اتنی تکلیف کیوں کی؟"

"کوئی بات نہیں چچی جان! میں نے تو یہ سب کچھ اپنی خوشی کے لئے کیا ہے۔"

"بیٹے تم کتنے اچھے ہو۔اری نیلم منہ کیا دیکھ رہی ہے۔وحید بیٹا چلو چل کر اندر کمرے میں بیٹھو نا۔۔۔۔۔۔اب تو تمہیں کھانا کھا کر ہی جانے دیں گے۔"

"نہیں چچی جان مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے۔"

"ارے بیٹا۔یہ بھی تو تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔؟"

وحید نے کچھ سوچ کر آہستہ سے کہا۔

"تو پھر چچا جان کو میری آمد کا علم نہ ہو۔"

چچی نے منہ بنا کر کہا۔

"ارے بیٹا! انہیں کون خبر دے گا۔ان کا ان باتوں سے کیا لینا دینا۔وہ تو اپنے کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔تم میرے گھر میں ہو چلو۔اندر چلو۔"

وحید نیلم کے کمرے میں آ گیا۔

نیلم کا وہی کمرہ تھا۔نیلم نے ہیٹر جلا دیا۔پلنگ پر ریشمی لحاف تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔نیلم نے دروازہ بند کر کے پردہ چھوڑ دیا۔الماری سے چاندی کا سگریٹ کیس لا کر وحید کو پیش کیا۔

"میں نے یہ کل ہی آپ کے لئے خرید لیا تھا۔"

وحید نے چاندی کا سگریٹ کیس ہاتھ میں لے کر دیکھا۔

"یہ تو بڑا قیمتی معلوم ہوتا ہے۔"

نیلم نے اپنا چہرہ وحید کے قریب لا کر کہا۔

''آپ سے زیادہ نہیں۔''

وحید نے چہرہ اوپر اٹھا کر آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ انتہائی صحتمند بھرپور اور سولہ سنگھار سے آراستہ خوشبودار چہرہ وحید کے بالکل سامنے تھا۔ وحید نے آگے بڑھ کر نیلم کے ہونٹ چوم لئے۔ نیلم جلدی سے پیچھے ہٹ گئی اور شرما کر بولی۔

''آپ بڑے شریر ہیں جی!''

وحید نے کہا۔

''یہ میری پہلی شرارت ہے نیلم۔''

وحید نے سگریٹ منہ میں رکھا۔ نیلم نے لائیٹر جلا کر وحید کا سگریٹ سلگایا۔ پھر دروازہ کے پاس جا کر کان لگا کر کچھ سنا۔ جیسے اطمینان کر رہی ہو کہ ادھر کوئی ان کی باتیں تو نہیں سن رہا۔ وحید نے پوچھا۔

''کون ہے؟''

نیلم نے آنکھوں سے اشارہ کر کے کہا۔

''کوئی نہیں''

پھر وحید کے قریب آ کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کو بولی۔

''کیا پیو گے؟''

وحید نے نیلم کے بھرے بھرے گرم بازو تھام لئے۔

''میں تو چائے پی کر آیا ہوں۔''

''چائے نہیں کچھ اور۔''

''اور کیا؟''

''ابھی بتاتی ہوں۔''

اتنا کہہ کر نیلم سنگھار میز کے عقب والی الماری کے پاس گئی۔ چابی لگا کر اس نے الماری کھولی اور ایک چوڑی سی بڑی خوبصورت بوتل نکال کر باہر لے آئی۔ وحید نے ایسی بوتل پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''یہ کیا ہے نیلم؟''

نیلم نے مسکرا کر ترچھی نظروں سے وحید کو دیکھ کر کہا۔

"تم نہیں جانتے یہ کیا ہے؟"

"نہیں"

"بڑے بھولے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔یہ برانڈی ہے۔"

"مگر برانڈی تو بیمار بچوں کو دیا کرتے ہیں۔"

"میں بھی بیمار ہوں وحید۔۔۔۔۔۔۔تمہاری بیمار۔۔۔۔۔۔۔ویسے یہ بڑی اچھی چیز ہے۔سردیوں میں اسے ضرور کھانے سے پہلے پینا چاہیے۔یہ جسم کو گرم رکھتی ہے اور آدمی پر کبھی سردی کا حملہ نہیں ہوتا۔

"تو پھر تھوڑی سی دے دو۔"

نیلم نے دو خوبصورت اور نازک سے گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل کا کارک کھول کر دونوں گلاسوں میں تھوڑی برانڈی ڈال دی۔اس کے بعد اس نے گلاسوں میں کچھ پانی ڈالا۔

"یہ پانی کس لیے؟"

"اس سے برانڈی کی تلخی کم ہو جاتی ہے۔"

نیلم نے وحید کا گلاس اٹھا کر اس کے ہاتھ میں دیا اور خود گلاس سے گلاس ٹکرا کر بولی۔

"ہماری دوستی کے نام۔"

وحید نے کہا۔

"ہماری محبت کے نام۔"

"کاش!ایسا ہی ہو۔"نیلم نے آہ بھر کر کہا۔

نیلم غٹا غٹ برانڈی کا سارا گلاس پی گئی۔وحید نے دو گھونٹ لینے کے بعد گلاس میز پر رکھ دیا۔

"کیا بری لگی۔"

"کچھ کچھ!"

"کیا پہلے کبھی نہیں پی؟"

"جی نہیں۔"

"بڑے پیارے ہو وحید تم۔"

"تم سے پیارا نہیں نیلم۔"

وحید نے برانڈی پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ دو ایک بار اس نے ایک عیش پسند کلرک کے ساتھ پہلی تاریخ کو شام کو گرمیوں میں بیئر کی ایک بوتل ضرور پی تھی اور اسے خوب نشہ ہو گیا تھا۔ بیئر وہ کبھی کبھی جب اس کی جیب اجازت دیتی تھی ضرور پی لیتا تھا اور نشے کا لطف اٹھاتا تھا۔ لیکن اس روز وہ رات گئے تک گھر نہیں آتا تھا۔ یعنی اس وقت تک جب تک کہ اس کا سارا نشہ اتر نہیں جاتا تھا۔ برانڈی اسے بیئر کے مقابلے میں کم تلخ لگی تھی۔ دو گھونٹ پی کر اس نے صرف اس لئے گلاس میز پر رکھ دیا تھا کہ اسے ڈر تھا کہیں برانڈی پی کر اسے زیادہ نشہ نہ ہو جائے اور گھر جا کر کسی کو معلوم نہ ہو جائے۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر اس نے اپنا گلاس ختم کر دیا۔ اس دوران نیلم دوسرا گلاس پی رہی تھی۔ نیلم نے وحید کے لئے دوسرا گلاس بنایا تو وحید نے کہا۔

"نہیں نیلم اب نہیں۔"

"چکر آنے لگیں گے۔"

نیلم ہنس پڑی۔

"کیسی بات کرتے ہو وحید! کبھی برانڈی پی کر بھی چکر آئے ہیں۔ بلکہ یہ چیز تو چکروں کو دور کر دیتی ہے۔"

نیلم کے مجبور کرنے پر وحید نے دوسرا گلاس بھی پی لیا۔ اب اس کی آنکھیں کچھ جلنے لگیں۔ کان اور رخسار گرم ہو گئے۔ ہونٹوں سے سینک سا اٹھنے لگا۔ دماغ ہر قسم کے پریشان خیالات سے پاک ہو گیا خون رگوں میں گرم ہو کر دوڑنے لگا۔ اسے نیلم زیادہ حسین اور زیادہ صحت مند دکھائی دینے لگی تھی۔ نیلم کی آنکھیں بھی سرخی مائل ہو گئی تھیں۔ اس نے برانڈی کی بوتل الماری میں بند کر دی اور گلاس بھی اٹھا کر سنگھار میز کے دراز میں رکھ دیئے تھے۔ جب وہ اس کے قریب آکر بیٹھی تو وحید کو یوں لگا جیسے وہ کسی شہنشاہ کی خواب گاہ میں بیٹھا ہوا اور وہ دنیا کی حسین ترین عورت اس کی آغوش میں ہو۔

نیلم نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تو وحید نے اس کے بازو تھام لئے۔

"تم کتنی حسین ہو نیلم۔"

نیلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی رہی۔ وحید نے اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ نیلم ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"کیوں نیلم! کیا میں اس قابل بھی نہیں؟"

"نہیں وحید۔۔۔۔۔۔۔ تمہارے ہونٹوں پر سرخی کا نشان پڑ جائے گا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ممی بھی اندر آ رہی ہیں۔"

"انہیں کہو وہ اندر نہ آئیں۔"

نیلم قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"اتنی جلدی نشہ چڑھ گیا تمہیں؟"

وحید بھی ہنس پڑا۔ اس نے سر جھٹک کر کہا۔

"کچھ ایسی ہی بات معلوم ہوتی ہے۔"

وحید کو ہلکا ہلکا نشہ ہونے لگا تھا اور اسے نیلم کے مقابلے میں دنیا کی ہر شے ہیچ' بے حقیقت اور بے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یہ بات بڑی بے محل لگی کہ وہ نیلم کا منہ چوم رہا ہو اور اس کی بوڑھی ماں جو ایک بوڑھی گھوڑی سے مشابہ تھی اندر آ جائے اور دخل در معقولات کرے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کی ممی اندر آ سکتی ہے۔

نیلم کو ممی کا بالکل احساس نہیں تھا۔ وہ جب تک چاہے وحید کی آغوش میں پڑی رہ سکتی ہے۔ بلکہ اسے تو ممی نے اجازت دے رکھی تھی اور وہ اسے شہ دے رہی تھی کہ وحید کو جس طرح بھی ہو قابو کیا جائے۔ مگر نیلم ابھی اپنے بدن کے سارے اسرار وحید پر فاش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں وحید کو اپنے مکان کے سارے تہہ خانوں کی سیر نہیں کروا دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس طرح تو وحید کا دل اس سے بھر جائے گا۔ پھر تو وہ اس میں دلچسپی لینا چھوڑ دے گا۔ وہ آہستہ آہستہ وحید کو اپنے قریب لانا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ الگ ہو کر کھڑی ہوئی اور شرارت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

وحید نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔

’’واقعی مجھے تم سے محبت ہے نیلم۔‘‘

’’جھوٹ‘‘

’’بالکل سچ‘‘

’’میں نہیں مانتی۔‘‘

’’میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں پھر؟‘‘

’’پھر بتاؤں گی۔‘‘

اتنے میں ممی اندر آ گئی اس کے ساتھ ہی نوکرانی بھی تھی۔ ممی نے کہا۔

’’بچوں کھانا لگ گیا ہے۔‘‘

کھانے کی میز پر وحید نے معمول سے زیادہ بھوک محسوس کی۔ وہ اپنے اندر زندگی کی پوری قوت اور طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اس سے بہتر حالت میں اس نے اپنے دل ودماغ کو پہلے کبھی نہیں پایا تھا۔ نیلم اس کے پاس ہی بیٹھی تھی اور بار بار اسے مسکراتی ہوئی سرور انگیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان نگاہوں میں دعوت عشق بھی تھی اور دعوت مبارزت بھی۔ وحید ان نظروں کا تھوڑا بہت مفہوم ضرور سمجھ رہا تھا۔ اگرچہ باہر سردی تھی اور نوکروں کے کواٹروں کے دروازوں پر کہرا جم رہا تھا اور کھڑکیوں کی سلاخیں شبنم سے بھیگ رہی تھیں۔ لیکن اس کمرے میں شبنم اور کہرے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ نیلم وحید ایک دوسرے کے بالکل ساتھ لگے بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ وحید کا نشہ اب کچھ کچھ اتر گیا تھا اور وہ بڑی صاف ستھری نگاہوں سے نیلم کو دیکھ رہا تھا۔

نیلم کا چہرہ پہلے سے زیادہ شگفتہ ہو رہا تھا اور آنکھیں پوری ستی ہوئی تھیں۔ جیسے ابھی سو کر اٹھی ہو یا اسے نیند آ رہی ہو۔ وحید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’تمہاری آنکھیں بڑی پیاری ہیں نیلم۔‘‘

نیلم نے ایک بار دونوں آنکھیں میچ لیں اور پھر مسکرا کر کہا۔

’’تم سے زیادہ نہیں وحید۔‘‘

’’بھئی ہم تو کسی عمل دخل میں نہیں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

''مردوں کا حسن عورت کے حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مرد کا حسن تو صرف اس کی مردانگی ہی ہوتی ہے۔''

''اور عورت کا حسن؟''

''عورت کا حسن اس کی آنکھیں ہوتی ہیں۔''

نیلم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''تم بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہو وحید' میں تو تمہاری باتیں بڑے غور سے سنتی رہتی ہوں۔''

وحید نے سگریٹ سلگا کر نیلم کا ہاتھ تھام لیا۔

''ایک بات پوچھوں نیلم؟''

''ایک ہزار باتیں پوچھیے۔''

یہ نجم صاحب کون ہیں؟''

نیلم چونکی ہو کر بیٹھ گئی۔ آخر وحید نے اس سے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا جس کا اسے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر کہا۔

''محض ملنے والے ہیں' لندن میں قالینوں کی ایجنسی کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ممی کے دور کے رشتہ داروں میں سے ہیں۔ مگر تم کیوں پریشان ہو؟''

''یونہی کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کہیں وہ ہمارے راستے کی دیوار تو نہیں ہیں۔''

نیلم نے وحید کا ہاتھ دبا کر کہا۔

''تمہیں ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ وحید میں تو کبھی دوسرے شخص کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوئی۔ نجم سے محض میری دوستی ہے اور وہ بھی کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

وحید کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

''اب میں مطمئن ہو گیا ہوں نیلم! اب مجھے کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔''

''وحید! تمہیں میری دوستی پر پورا پورا بھروسہ کرنا چاہیے۔ نیلم جب کبھی کسی کو اپنا دوست بناتی ہے تو ایسا خلوص دل سے کرتی ہے۔ بے وفائی اس کی فطرت ہی میں نہیں۔''

وحید نے نیلم کو اپنے ساتھ لپٹا لینا چاہا مگر نیلم کمال ہوشیاری سے مسکرا کر اس کی آغوش سے اچھل کر پرے ہٹ گئی اور شرارت سے

بولی۔

''کوئی آجائے گا وحید۔''

''یہاں کون ہے نیلم؟''

''ممی جو ہے''

''میرا خیال ہے وہ سوگئی ہیں۔''

''مائیں سوتی بھی جاگا کرتی ہیں۔''

اس پر وحید ہنس پڑا اور اٹھ کر بولا۔

''اچھا اب میں جاتا ہوں نیلم کافی وقت ہوگیا۔''

جب وحید چلنے کے لئے تیار ہوا تو نیلم نے پریشانی کا اظہار شروع کردیا اور اس کے پاس آ کر بولی۔

''اتنی جلدی؟''

وحید نے اس کے بازو تھام کر کہا۔

''دس بج رہے ہیں نیلم' ماں جی انتظار کررہی ہوں گی۔''

''پھر کب ملاقات ہوگی؟''

''کل''

''وعدہ؟''

''پکا وعدہ''

وحید نے نیلم کا منہ چوم لیا۔ نیلم اسے گاڑی میں چھوڑنے اس کے محلے تک آئی جب وحید گھر آیا تو ماں حسب عادت کھانا لئے بیٹھی تھی۔ وحید نے کپڑے اتارتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ماں۔''

''بیٹا کیا کھانا کھائے بغیر ہی سوجاؤ گے؟''

''بھوک نہیں ماں''

اور اتنا کہہ کر وحید اپنے بستر میں گھس گیا اور آنکھیں بند کرکے نیلم کے بارے میں سنہرے خواب دیکھنے لگا۔ ماں با دلِ نخواستہ کھانا نعمت خانے میں رکھ کر اپنے بچھونے پر جا کر پڑ رہی۔ آنگن کی دوسری جانب والے مکان میں رضیہ جاگ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وحید کو دولت اس سے دور لئے جا رہی ہے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

دوسرے روز وحید نیلم سے پھر ملا۔

اب وحید نیلم کے ساتھ ایک مقامی کلب کا ممبر بن چکا تھا۔ ان دونوں کی یہ ملاقات اسی کلب میں ہوئی۔ وہ ایک سجے ہوئے آراستہ کمرے میں بیٹھ گئے اور چائے کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ نیلم نے کہا۔

''آخر تم کب تک ان گندی گلیوں میں پڑے رہو گے وحید؟''

''اس دولت کا کیا فائدہ اگر تم اسے اپنی اور اپنے گھر والوں کی آسائش کے لئے استعمال نہ کر سکو! اب وہ محلہ تمہارے لئے ایسے لوگوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔''

وحید نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو نیلم۔ لیکن میں ابھی ایسا نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟ کیا تم کسی سے ڈرتے ہو؟ تمہیں کسی کا کیا ڈر' تم آزاد ہو خود مختار ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے نیلم۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

''میں محلے والوں کو باتیں کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ یہ کہیں کہ دولت ملتے ہی وحید کی آنکھیں پھر گئیں۔''

''یہ لوگ تو سوائے باتیں کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے وحید۔ مگر تمہیں ان باتوں کے لئے اپنے مستقبل کو برباد نہیں کرنا چاہیے اور پھر تم ان لوگوں کی باتیں سننے کے لئے ان کے درمیان نہیں ہو گے۔ وہ باتیں کرتے ہیں تو کرنے دو۔ تم کوئی جرم نہیں کرو گے۔ تم صرف اپنے روپے کا بہترین استعمال کرو گے۔''

''شاید ماں جی اس گھر کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوں۔''

''تم انہیں سمجھاؤ کہ ان کی بدنصیبی کا زمانہ گزر گیا ہے۔ اب وہ نئی روشنی میں ہیں اور انہیں زمانے کا ساتھ دینا چاہیے۔''

''شاید وہ اتنی جلدی اپنا آبائی گھر چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں۔''

نیلم نے بڑی ہوشیاری سے ایک اور تیر چلایا۔

''تو پھر ایسا کرو کہ باہر کوئی اچھی سی زمین دیکھ کر کوٹھی بنوانا شروع کر دو۔ جب تک وہ تیار ہو گی تم والدہ کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ زمینیں روز بروز مہنگی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا خبر تمہیں دوگنی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اور تمہیں ایک نہ ایک روز اپنے بنگلے میں ضرور جانا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے وحید؟ کیا تم ہمیشہ ان گندی گلیوں میں رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟''

''بالکل نہیں۔ میں تو جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر تمہیں مزید سوچ و بچار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وقت تو ہر پل گزرتا چلا جا رہا ہے۔ تم نئے زمانے کے نوجوان ہو۔ پرانے زمانے کے لوگوں کا کب تک ساتھ دو گے؟ تم ان کے ساتھ نہیں چل سکتے بلکہ تمہیں انہیں اپنے ساتھ چلانے پر مجبور کرنا ہو گا۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے بہن بھائی بھی اچھے اچھے کپڑے پہن کر اعلیٰ سکولوں میں تعلیم حاصل کریں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اپنے پرانے زمانے کے دقیانوسی بوسیدہ سکولوں میں گالی گلوچ کرنا سیکھتے رہیں۔ آخر تمہاری دولت کا انہیں کیا فائدہ اگر وہ اچھی سے اچھی تعلیم حاصل نہ کر سکے' اگر وہ بہتر ماحول میں زندگی بسر نہ کر سکے۔''

وحید کے ذہن نے نیلم کے بتائے ہوئے راستے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سگریٹ راکھدان میں مسل کر کہا۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو نیلم۔''

نیلم نے تیر نشانے پر لگتا دیکھا تو زیادہ گرم جوشی سے بولی۔

''میں تمہارے اور تمہارے بہن بھائی کے مستقبل کی بات کر رہی ہوں وحید' تمہیں کوئی حق نہیں کہ روپے پیسے کے ہوتے ہوئے بھی تم انہیں ان سہولتوں سے محروم رکھو' جن کے وہ صحیح حقدار ہیں۔''

وحید نے نیا سگریٹ جلا کر کہا۔

''تم پھر اس سلسلے میں میری مدد کرو''

''میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔''

''دیکھو میں اس میدان میں بالکل نیا سپاہی ہوں۔ میں اس میدان میں حرب وضرب کے طریقوں سے ناواقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے ایک اشارے پر کئی لوگ میرے ارد گرد آن جمع ہوں گے۔ مگر وہ سارے کے سارے خود غرض لوگ ہوں گے۔ اور

سوائے اپنی مطلب پرستی کے انہیں اور کوئی غرض نہ ہوگی۔" نیلم نے بھی سگریٹ سلگا لیا اور جلدی سے بولی۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ میرے ساتھ چل کر کسی اچھی جگہ پر بنگلے کے لئے زمین دیکھو۔ اس کی سودا بازی میں میری مدد کرو۔"

نیلم نے اچانک خوش ہو کر کہا۔

"خوب یاد آیا۔ اس کام میں نجم صاحب کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے ممی کو بھی ایک بار بنگلے کے لئے بڑی اچھی جگہ دکھائی تھی۔ میں کل ہی نجم سے بات کرتی ہوں۔ وہ تمہیں بڑی اعلیٰ جگہ پر زمین لے دیں گے۔"

وحید نے ذرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا نجم صاحب کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں مل سکتا۔"

نیلم سمجھ گئی کہ وحید نجم صاحب کو بیچ میں نہیں لانا چاہتا۔ لیکن بڑی مکاری سے بولی۔

"اس میں ہمیں ان سے کیا سرور ہوگا۔ ان کا کام تو صرف زمین دکھانا ہوگا۔ باقی سارا کام تو کمپنی کرے گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

"میں کل ہی نجم سے مل کر ساری بات طے کر لیتی ہوں۔"

"اور ہاں۔۔۔۔۔۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک گاڑی بھی خرید لوں مگر جب تک بنگلہ تیار نہیں ہوتا میں گاڑی نہیں لینا چاہتا۔ گاڑی لے کر اپنے محلے میں رکھوں گا کہاں؟"

"فکر نہ کرو وحید! ان سب باتوں کا انتظام ہو جائے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے کلب میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور نیلم روز کی طرح وحید کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر اس کے محلے میں چھوڑ آئی۔

اب وحید کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ ہر روز رات کو دس گیارہ بجے سے پہلے واپس گھر نہ آتا۔ ماں بھی حسب معمول اس کا کھانا لے کر بیٹھی رہتی۔ اس خیال سے کہ شاید کسی روز وہ کھانا مانگ بیٹھے۔ مگر وحید کو تو اب گھر کا کھانا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ تو ہر روز رات کو کھانا باہر ہی نیلم کے ساتھ کھاتا۔ نیلم کی ماں بڑی خوش تھی کہ اس کی بیٹی نے بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وحید کو اپنے جال میں گرفتار کر لیا ہے۔ اس نئی دوستی کی چچا جان کو بالکل خبر نہ تھی۔ انہیں اتنا ضرور معلوم تھا کہ وحید کبھی کبھار وہاں آ جاتا ہے۔ وحید بھی کبھی کبھی منہ رکھنے

کے لئے اپنے چچا جان سے ایک آدھ منٹ کے لئے مل لیتا تھا۔

وحید نے اب دفتر سے چھٹی کر لی تھی اور نوکری چھوڑ دی تھی۔ دن بھر وہ نیلم کے ساتھ بنگلے کے چکر میں رہتا اور رات گئے گھر واپس آتا۔ اسلم سے ملاقات کہیں ہفتے کے بعد ہو جاتی۔

رضیہ سے کوئی ایک ماہ سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ بے چاری اندر ہی اندر بیٹھی جل رہی تھی۔ دولت کی آمد نے اس کی محبت پر بجلی گرا دی تھی۔ دولت اس کے لئے ایک لعنت بن کر آئی تھی۔ اسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ وحید نیلم سے گہرے تعلقات استوار کر چکا ہے اس نے ایک بار وحید سے مل کر اسے باتوں ہی باتوں میں کہا۔

"وحید! ویسے میں تمہیں اس قسم کی باتیں کہنے کا حق نہیں رکھتا' تم خود مختار ہو اور اپنی زندگی کے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کے مجاز ہو لیکن پرانی دوستی کی بناء پر میں تمہیں اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہیں نئے دوستوں کے خلوص سے خبردار رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ بعد میں تمہیں پچھتانے پر مجبور کر دیں۔"

وحید نے سگریٹ ہولڈر میں سگریٹ دبا کر کہا۔

"تمہاری نصیحت کا شکریہ اسلم! لیکن میں ان باتوں کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں میں جانتا ہوں کہ میرے دوست کون ہیں اور دشمن کون ہیں۔"

اسلم نے کہا۔

"شاید یہی ایک بات ہے جو اس وقت تم نہیں جانتے۔"

وحید بولا۔

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

اسلم نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"پیارے دوست! دوستی جب سونے کا دستانہ پہن کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے تو اس کی گرفت زیادہ مضبوط اور زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔"

وحید نے اسلم کی طرف مسکرا کر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"میں کوئلے کی کان سے نکل کر سونے کی کان میں گیا ہوں۔ میرا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔"

''خدا کرے کہ تمہارا کوئی بھی کچھ نہ بگاڑ سکے۔لیکن ایک بات میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم بنگلہ بنوار ہے ہو ضرور بنواؤ' لیکن والدہ کو ابھی وہاں لے جانے پر مجبور نہ کرو۔''

''کیوں؟''

''دیکھو وحید! والدہ پرانے زمانے کی نیک اور روایات پسند خاتون ہیں۔ پھر یہ مکان ان کا جدی مکان ہے۔ وہ اتنی جلدی اسے چھوڑنا گوارہ نہیں کرسکتیں۔تم خود وہاں چلے جاؤ اور انہیں کچھ دیر اسی مکان میں رہنے دو۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اسلم! تم خود سوچو کہ اگر میں والدہ کو یہاں چھوڑ گیا تو لوگ کیا کہیں گے؟''

''تم لوگوں کے طعنوں کے لئے والدہ کو ساتھ لے جارہے ہو یا ان کی سہولت کے لئے؟''

''دونوں باتیں میرے پیش نظر ہیں۔ آخر انہیں وہاں جانے میں قباحت ہی کیا ہے۔ میں یہ مکان کوئی فروخت تھوڑے ہی کررہا ہوں۔ یہاں چوکیدار رہے گا۔ وہ جب چاہے یہاں آکر رہ سکتی ہے۔ یہ مکان اسی کے پاس رہے گا۔ اگر وہ کہے تو میں اشٹام لکھ کر دے سکتا ہوں۔''

''بیوپاری صاحب! ماں کی محبت اشٹام لکھوانا نہیں جانتی فکر نہ کرو۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ ماں جی تمہارے ساتھ جانے پر راضی ہوجائیں۔''

''میں تمہارا بڑا شکر گزار ہوں گا اسلم۔''

''شکر گزار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ادھر نیلم نے نجم سے مل کر طے کرلیا کہ وہ زمینوں کی خرید و فروخت والی کمپنی سے مل کر اپنا کمیشن بھی طے کرلے اور بنگلے کے لئے قطعہ اراضی کا بھی بندوبست کرلے۔ نجم نے گلبرگ ہی میں ایک جگہ زمین کا ٹکڑا وحید کو دکھلایا۔ نیلم نے کہا کہ اسے وہ جگہ پسند ہے اور وحید سے کہا کہ وہ بھی اسے ہی منتخب کرے۔ کیونکہ وہ جگہ نہر کے قریب واقع ہے اور بڑا پرفضا مقام ہے۔ وحید نے جگہ پسند کرلی۔ دوسرے روز کمپنی کے دفتر میں زمین کے ٹکڑے کی قیمت ادا کردی گئی۔ اس میں سے پانچ ہزار روپے کی کمیشن نجم نے وصول کرلی۔ ان پانچ ہزار میں سے ڈیڑھ ہزار نیلم نے نجم سے وصول کرلیا۔

''تم تو بڑی کاروباری ہوگئی ہو نیلم۔'' نجم نے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ نیلم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ نیلم نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''اس دنیا کا سارا نظام کاروبار پر ہی چل رہا ہے نجم۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مفلسی میں مرجاؤں اور میں ایسا کبھی نہیں چاہتی۔''

''شاید کاروبار تمہاری گھٹی میں پڑا ہے۔''

''یہ کوئی بری بات نہیں۔خیران باتوں کو چھوڑو۔اب سوال یہ ہے کہ آگے کام کیسے چلایا جائے۔وحید تمہیں پسند نہیں کرتا اور تمہاری مدد کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا۔میں چاہتی ہوں کہ بنگلہ بنوانے کا ٹھیکہ بھی تم ہی لے لو اور اپنی نگرانی میں اسے تعمیر کراؤ' اور ہمیں اس میں سے بھی دس بیس ہزار بچ جائیں۔''

''تم اسے مجبور نہیں کر سکتیں؟''

''ڈرتی ہوں کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔اور دس بیس ہزار کا فائدہ سوچتے سوچتے دس لاکھ کی رقم ہاتھ سے نکل جائے۔''

نجم نے کہا۔

''تم ایسا مت کرو۔ٹھیکیدار کا بندوبست میں کرتا ہوں۔مگر اس کے ساتھ ہم اپنی کمیشن مقرر کر لیں گے۔''

''یہ تجویز ٹھیک رہے گی۔''

''میرا مطلب ہے ہم کیوں خواہ مخواہ وحید کو ناراضگی کا موقع دیں۔بلکہ تم مجھ سے دور دور ہی رہا کرو۔لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سچ مچ ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ اور مجھ سے کئے گئے وعدوں کو بھلا دو۔''

نیلم نے ہنس کر کہا۔

''نیلم کے لئے محبت ایک بے معنی شے ہے۔اسے اگر کوئی طاقت گرفتار کر سکتی ہے تو صرف دولت۔۔۔۔۔۔محبت نہیں۔''

''مجھے تم سے اسی قسم کے جواب کی توقع تھی نیلم۔''

نجم نے آگے بڑھ کر نیلم کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کا منہ چوم لیا۔نیلم نے بھی اپنی بانہیں نجم کے گلے میں حمائل کر دیں۔وہ کلب کے ایک کمرے میں بالکل اکیلے کھڑے تھے۔اتنے میں نیلم کو باہر برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔نجم جلدی سے الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا اور نیلم میز پر جھک کر گلدان میں پھولوں کو ٹھیک کرنے لگی۔کمرے کا پردہ ایک طرف ہٹا اور وحید اندر داخل ہوا۔وحید نے نجم کو دیکھا تو چہرے پر ایک بل نمودار ہو گیا۔نیلم نے اس تبدیلی کو فوراً محسوس کر لیا۔وہ خندہ پیشانی سے وحید سے ملی اور بولی۔

''تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی وحید کے نجم صاحب نے ایک ایسے ٹھیکیدار کا بندوبست کیا ہے جو ہمارا بنگلہ اپنی نگرانی میں بڑی جلدی اور بڑے پیمانے پر بنوا دے گا۔''

نجم نے بھی نیلم کی ہاں میں ہاں ملادی۔

''وہ بڑا ماہر ٹھیکیدار ہے اور اس قسم کے کام میں اس شہر بھر میں اس کے مقابلے کا کوئی اور ٹھیکیدار نہیں۔''

وحید نے صوفے پر بیٹھ کر ایک اخبار پر جھکتے ہوئے کہا۔

''اچھی بات ہے دیکھا جائے گا۔''

نیلم سمجھ گئی کہ وحید کا موڈ بگڑ گیا ہے۔اس نے نجم کو آنکھ کے اشارے سے وہاں سے چلے جانے کو کہا۔نجم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا وحید صاحب! مجھے اجازت دیجئے خدا حافظ''

جب نجم چلا گیا تو وحید نے نیلم سے کوئی بات نہ کی اور بدستور اخبار پر جھکا رہا۔نیلم چپکے سے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

''کیا مجھ سے ناراض ہو وحید؟''

''مجھے تم سے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں نیلم۔''

''کیوں نہیں۔تمہیں مجھ سے ناراض ہونے کا پورا حق ہے۔''

''میں بھلا تمہارا کون ہوتا ہوں۔''

وحید نے نیلم کی طرف آنکھیں اٹھا کر کہا۔

''تو پھر یہ شخص کون ہے؟''

نیلم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لئے تم خواہ مخواہ ایسی باتیں مت سوچا کرو۔وہ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔وہ تو بنگلے کے سلسلے میں ہماری مدد کرنا چاہتا ہے۔بیچارہ شہر سے یہاں محض مجھ سے یہی بات کہنے آیا تھا کہ اس نے ٹھیکیدار کا بندوبست کر لیا ہے۔''

وحید نے اخبار ایک طرف پھینک دی۔

''دیکھو نیلم میں تم سے ایک بات صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ شخص پسند نہیں۔خاص طور پر جب میں اسے تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔مجھے اس کے بتائے ہوئے ٹھیکیدار سے کام کروانے کی کوئی ضرورت نہیں۔اگر نجم کی مدد کے بغیر کوئی ٹھیکیدار نہیں مل سکتا تو میں بنا بنایا بنگلہ خرید لوں گا۔لیکن بنواؤں گا کبھی نہیں۔''

نیلم نے کہا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ اگر تم اسے پسند نہیں کرتے تو وہ کبھی یہاں نہیں آئے گا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق مت رکھو۔''

''بھلا مجھ کو اس سے کیا سروکار ہے۔ اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں آج کے بعد اس سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گی۔ کبھی اس سے نہیں ملوں گی۔ اب تو تم خوش ہو نا؟''

''بہت خوش ہوں۔''

وحید کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور نیلم نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نجم سے کہہ دے گی کہ وحید کے سامنے اسے کبھی نہ بلائے اور اس سے دور ہی رہے۔ بلکہ نجم تو خود اسے یہی بات کہہ رہا تھا۔ شاید مرد مرد کو زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ لیکن نیلم اس بات کو احسان بنا کر وحید کے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔

''تم تو مجھے جو کہو گے میں اس پر کسی قسم کا اعتراض کئے بغیر عمل کروں گی۔ کاش تمہیں بھی میرا اتنا ہی خیال ہو جتنا کہ میں تمہارا خیال رکھتی ہوں۔''

وحید نے بڑی محبت سے کہا۔

''مجھے تمہارا اس سے بھی زیادہ خیال ہے نیلم میں نے کب تمہاری خواہشات کا احترام نہیں کیا۔

اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس روز وحید نے نیلم کو کوئی دو ہزار روپے کی شاپنگ کروا دی۔ نیلم نے کوئی دو گھنٹے لگا کر مال کی دکانوں پر سے اپنی پسند کی بے شمار چیزیں خریدیں اور بڑی خوشی خوشی اپنی کوٹھی میں واپس آ ئی۔

اس رات جب وحید اپنے گھر واپس آیا اور گلی سے گزر کر اپنے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہونے لگا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔ اس نے اوپر دیکھا تو ساتھ والے مکان کی کھڑکی کی چق اٹھی ہوئی تھی اور رضیہ کھڑی تھی۔ رضیہ نے جب وحید کو کھڑے دیکھا تو اس نے اس کی طرف ایک کاغذ کا پرزہ پھینک دیا۔ وحید نے پرزہ اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ اندر جا کر اس نے خط کھولا۔ رضیہ نے پنسل سے صرف اتنا لکھا تھا۔

''اگر تکلیف نہ ہو تو آج رات میں انتظار کروں گی۔''

وحید کو اب یہ رومان بڑا عجیب سا لگا کہ وہ محض ایک پھیکی سی لڑکی کو ملنے کی خاطر آدھی رات تک بستر میں لیٹا جاگتا رہا ہے۔ لیکن اس کے سوا اب کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ پرانے تعلقات کا کم از کم یہی تقاضہ تھا اور وحید کے دل میں ابھی پرانی روایات سے دل بستگی

زندہ تھی۔ پھر بھی اسے بستر پر لیٹے رہنا اور جاگتے رہنا بڑا مشکل معلوم ہوا۔ اس نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور سینما دیکھنے چل دیا۔

سڑک پر آ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور اس میں سوار ہو کر سینما آ گیا۔ ٹیکسی والے کو پانچ روپے کا نوٹ دیا۔ اس کا صرف ایک روپیہ بنتا تھا۔ اسے دو روپے دیئے۔ اعلیٰ کلاس کا ٹکٹ لیا اور اپنی گرم گرم گدے دار کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ کبھی وہ دن تھے کہ وہ بڑے شوق سے مہینے میں ایک بار فلم دیکھنے جایا کرتا تھا اور پھیکے سے پھیکے منظر کا بھی پوری گرمجوشی سے لطف اٹھایا کرتا تھا۔ لیکن آج فلم کا بہترین سے بہترین منظر بھی اسے اپنی طرف کھینچنے سے قاصر تھا۔ اس کا ذہن، نیلم اپنے بنگلے اور رضیہ سے پیچھا چھڑانے کے چکروں میں الجھا ہوا تھا۔ فلم شروع ہو چکی تھی۔ وہ سکرن پر آنکھیں جمائے کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، کچھ اور ہی دیکھ رہا تھا۔ انٹرول میں اس نے چائے منگوا کر پی۔ انٹرول کے بعد اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، ابھی بارہ بجنے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا۔

کبھی وہ بارہ بجے کا بڑی بے تابی سے انتظار کیا کرتا تھا۔ اسے اس بات کی بڑی خوشی ہوا کرتی تھی کہ وہ رضیہ سے ملنے جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد رضیہ اس کی آغوش میں ہوگی اور وہ اس سے پیاری پیاری باتیں کر رہا ہوگا۔ اس کا منہ چوم رہا ہوگا۔ اس کے ہاتھ چوم رہا ہوگا۔ لیکن اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کہیں بیگار پر جا رہا ہے۔ دراصل وہ رضیہ سے اب پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا۔ رضیہ اسے بری نہیں لگتی تھی۔ بلکہ اسے بے حقیقت محسوس ہونے لگی تھی۔ مستقبل کے جس سنہرے دور وہ داخل ہو گیا تھا اور داخل ہونے والا تھا اس میں رضیہ کا وجود اسے بے محل معلوم ہو رہا تھا۔ بھلا رضیہ ایسی لڑکی اس کے ساتھ کہاں کلبوں میں جا کر بیٹھ سکے گی؟ کیا وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کے لئے برانڈی بنا سکے گی؟ نیلم کی طرح انداز دلربائی سے سگریٹ پی سکے گی؟ اس کی طرح شان محبوبی سے کار چلا سکے گی؟ اس کی طرح بال بنا سکے گی؟ اس کے لئے بہترین بہترین انگلش کھانے پکا سکے گی؟ اس کی طرح دلچسپ باتیں کر سکے گی؟ کبھی نہیں! کبھی نہیں! رضیہ کے بال تو اس کے سر پر گھونسلہ سا بنائے رکھتے ہیں۔ اس کے ناخنوں میں تو آٹا لگا ہوتا ہے اور ہونٹوں پر کبھی سرخی نہیں ہوتی۔

انہی خیالات کو ذہن میں لئے وحید سینما ہال میں سے اٹھا اور تانگے میں بیٹھ کر واپس گھر آ گیا۔ پھر بھی اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ رضیہ سے ایک دم تعلقات منقطع نہیں کرے گا۔ بلکہ اسے کچھ نہیں کہے گا۔ جب وہ اس محلے سے اپنے نئے بنگلے میں اٹھ جائے گا تو یہ تعلقات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اس نے بڑی آہستگی سے گھر کا دروازہ کھولا کمرے میں جا کر دیکھا کہ سب لوگ سو رہے تھے۔ اس نے کپڑے بدلنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور اسی طرح نیلے بہترین سوٹ میں ملبوس اور گلے میں ریشمی مفلر لگائے وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ جب وہ دیوار پھاند کر دوسرے کوٹھے پر گیا تو سامنے رضیہ کھڑی تھی۔ آخری تاریخوں کا زرد زرد اس چاند

مشرق کی جانب جھکنے لگا تھا اور اس کی معمولی چاندنی میں مکانوں کی چھتوں اور منڈیروں پر ایک ویرانی سی چھا رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر رضیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ رضیہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ وحید کو رضیہ کی یہ حرکت بڑی ناگوار محسوس ہوئی۔ آخر اس نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا تھا۔ وہ کوئی معمولی گھٹیا قسم کا انسان نہیں تھا۔ اس ہاتھ کو تھامنے کے لئے نیلم کے ہاتھ ہر وقت بے قرار رہتے ہیں تاہم اس نے رضیہ سے کچھ نہ کہا بلکہ مسکراتا ہی رہا اور اس کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ رضیہ خاموش ہی رہی۔ وحید نے کہا۔

''کیا مجھ سے ناراض ہو رضیہ؟''

رضیہ نے سوگوار نگاہیں اوپر اٹھا کر کہا۔

''مجھے آپ سے ناراض ہونے کا کیا حق ہے بھلا۔''

اس قسم کی بے معنی باتوں کے بعد رضیہ نے کہا۔

''اب تم پہلے ایسے وحید نہیں رہے۔ دولت نے تمہیں مجھ سے چھین لیا ہے۔ میری محبت کو چھین لیا ہے۔ اب تم بڑے آدمی ہو گئے ہو۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ اب ہر قدم پر تمہیں ایک رضیہ مل سکتی ہے۔''

وحید نے رضیہ کے بازو تھام لئے اور محض اس کا دل رکھنے کے لئے کہنے لگا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے رضیہ! میں اگر دولت مند ہو گیا ہوں تو میرا دل تمہاری طرف سے بالکل نہیں بدلا۔ بلکہ میری مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ اپنے لئے مکان بنوا رہا ہوں۔ پھر بچوں کے مستقبل کا فکر ہے۔ عذرا کی شادی کرنی ہے۔ اپنی شادی کا انتظام کرنا ہے۔''

رضیہ نے پوچھا۔

''کیا آپ کی شادی ہو رہی ہے؟''

''میری شادی سوائے تمہارے اور کس سے ہو سکتی ہے بھلا؟''

رضیہ نے اداس لہجے میں کہا۔

''جھوٹی باتوں سے میرا دل بہلانے کی کوشش نہ کرو وحید! میں جانتی ہوں کہ اب تمہارے دل میں وہ پہلی سی محبت نہیں رہی۔ اب تم مجھ سے دور ہو گئے ہو۔ میں اگر چاہوں بھی تو تمہیں حاصل نہیں کر سکتی۔''

اتنا کہہ کر رضیہ نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور رونے لگی۔ وحید نے دل میں کہا یہ کیا مصیبت پڑ گئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

اس نے رضیہ کا چہرہ اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''میری بات تو سنو رضیہ! تم تو خواہ مخواہ آنسو بہا رہی ہو۔ میں نے تمہیں کب یہ کہا ہے کہ میں اب تم سے محبت نہیں کرتا یا تم سے دور بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ میں اگر ان پچھلے دنوں تم سے نہیں مل سکا تو محض اس لئے کہ کام دھندوں میں بہت زیادہ مصروف رہا۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور ساری عمر محبت کرتا رہوں گا۔ دنیا کی کوئی بھی عورت مجھے تم سے الگ نہیں کر سکتی۔''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو وحید؟ کیا تم واقعی مجھ سے پہلی سی محبت کرتے ہو؟''

وحید نے تلخ گھونٹ نگلتے ہوئے کہا۔

''بالکل بالکل''

رضیہ سنبھل سی گئی۔ اس نے گرم شال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''وحید! میں تو صرف تمہاری محبت کی بھوکی ہوں۔ میں نے تم سے اس وقت محبت کی تھی جب تم دولت مند نہیں تھے۔ مجھے صرف تمہاری محبت کی ضرورت ہے تمہاری دولت کی نہیں۔ میرا پیار سونے کا تاج سر پر نہیں رکھنا چاہتا۔ وہ تو کانٹوں میں رہ کر بھی صرف تمہارا ہی نام لے گا اور صرف تم کو ہی یاد کرے گا۔''

وحید نے سوچا کہ یہ لڑکی تو اپنی محبت میں بڑی پختہ ہو چکی ہے۔ اس سے چھٹکارا بڑا مشکل ہے۔ اس نے یونہی رضیہ کا دل خوش کرنے کے لئے بازار سے ایک سونے کی انگوٹھی خرید لی تھی۔ اس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر رضیہ کو دیتے ہوئے کہا۔

''یہ میں تمہارے لئے بڑی محبت سے لایا ہوں رضیہ! ذرا پہن کر تو دیکھو۔ تمہیں پوری آتی ہے؟'' رضیہ انگوٹھی دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ پھر بولی۔

''نہیں نہیں وحید! میں یہ انگوٹھی نہیں لوں گی۔ مجھے ان تحفوں کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں لوں گی۔''

وحید نے رضیہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میرا دل نہ توڑو رضیہ! میں بڑی محبت اور عقیدت سے تمہارے لئے یہ خرید کر لایا ہوں۔''

وحید نے زبردستی رضیہ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور اس میں ایک بڑا قیمتی سفید نگینہ چمک رہا تھا۔ وحید نے اسے دو سو بیس روپے میں خریدا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی دولت میں سے کچھ نہ کچھ رضیہ پر بھی خرچ کرے اور انگوٹھی سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا تھا جسے وہ اتنی جلدی رضیہ کے لئے لے جاتا۔

رضیہ نے انگوٹھی پہن کر کہا۔

''کیا یہ سچ ہے وحید کہ تم اپنے نئے بنگلے میں چلے جاؤ گے؟''

وحید نے مفلر لپیٹتے ہوئے کہا۔''خیال تو ایسا ہی ہے۔''

رضیہ اداس ہوگئی۔اس نے سر جھکالیا۔

''کیوں؟ تم اداس کیوں ہوگئیں؟''

''اس لئے کہ پھر شاید تم سے کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو رضیہ! کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ میں تم سے ملاقات نہ کروں۔''

''تم بنگلے میں جا کر ہم گندی گلیوں میں رہنے والوں کو بھلا دو گے وحید! پھر تمہیں ہمیں یاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''ایسا نہیں ہوگا رضیہ! میں تمہیں ہر روز ملا کروں گا۔''

''یہ سب زبانی باتیں ہیں۔''

''میں تمہیں کر کے دکھاؤں گا۔''

''سب خیال کی باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔خواب کی باتیں محسوس ہو رہی ہیں وحید۔''

وحید نے رضیہ کا منہ چوم لیا۔اسے اس کے منہ سے پہلی بار گوبھی کی بو اٹھتی محسوس ہوئی نیلم کے منہ سے تو خوشبو آیا کرتی ہے' کبھی گلاب کے پھول کی کبھی نرگس کی کلیوں کی۔۔۔۔۔۔!اس نے رضیہ کا منہ چوم کر ہونٹ سکیڑ لئے اور کہنے لگا۔

''تمہیں میری باتوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔رضیہ' میں تم سے محبت کرتا رہا ہوں اور ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔بھلا میں تمہیں بھلا سکتا ہوں۔میں عذرا کی شادی سے فارغ ہوتے ہی تم سے شادی کرلوں گا اور پھر تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی پھر تمہیں مجھ سے جدا ہونے کا کبھی خدشہ نہیں رہے گا۔''

رضیہ نے اپنا سر جھکا لیا۔اسے کچھ کچھ یقین آنے لگا تھا کہ وحید اس سے بدستور محبت کرتا ہے اور وہ خواہ مخواہ اس سے بدگمان ہو رہی تھی۔بے چاری عورت جب محبت کرتی ہے تو آنکھیں بند کر کے محبت کرتی ہے۔اسے پھر دنیا کی کوئی طاقت اپنے محبوب سے بدگمان نہیں کرسکتی۔اور جب نفرت کرتی ہے تو پھر چوک میں کھڑی ہو کر نفرت کا اعلان کر دیتی ہے۔پھر محبوب کی بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کی نفرت کو محبت میں تبدیل نہیں کرسکتی۔اس نے مسکرا کر وحید کی طرف دیکھا اور بولی۔

"وحید! مجھے معاف کردو۔ تم سچ مچ مجھ سے پہلے کی طرح محبت کرتے ہو۔ اب میں تمہاری طرف سے بدگمان نہیں ہوں گی۔"

رضیہ خوش ہوگئی۔ مگر وحید کا منہ لٹک گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رضیہ خواہ مخواہ محبت کے حسین خوابوں میں الجھی رہے۔ ایسے خوابوں میں؛ جن کو ایک نہ ایک روز ٹوٹ کر بکھر ہی جانا ہے۔ لیکن وہ رضیہ کو ان خوابوں سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ اجازت لے کر اٹھا اور کوٹھے کی دیوار پھلانگ کر اپنے کوٹھے پر آ گیا۔ کمرے میں جا کر اس نے کپڑے بدلے اور بستر میں چپ چاپ جا کر لیٹ گیا۔ نیلم کے بارے میں سوچنے لگا۔

گلبرگ والا بنگلہ بن کر تیار ہو گیا تھا۔

وحید نے والدہ کو مجبور کیا کہ وہ اس گندی گلی والے مکان کو چھوڑ کر گلبرگ والے بنگلے میں اٹھ چلے۔ ماں نے اسی پرانی منطق سے کام لے کر کہا کہ وہ اپنا آبائی مکان نہیں چھوڑنا چاہتی۔" وحید نے کہا۔

"ماں آخر اس پیسے کا کیا فائدہ اگر ہم کھلی فضاء میں سانس نہ لے سکیں؛ ہمارے بستر صاف ستھرے نہ ہوں؛ ہمارے بچے اچھے سکولوں میں تعلیم حاصل نہ کر سکیں اور ہم کار پر بیٹھ کر سیر نہ کر سکیں۔"

ماں نے کہا۔ "لیکن بیٹا تم تو پہلے سائیکل پر ہی سیر کیا کرتے تھے۔ پہلے تم نے کبھی اس قسم کی خواہشات کا اظہار نہیں کیا تھا۔"

وحید نے کہا۔

"ٹھیک ہے ماں! مجھے ان چیزوں کی ضرورت تھی۔ لیکن میرے پاس انہیں حاصل کرنے کے ذرائع نہیں تھے۔ مگر اب میرے پاس روپیہ موجود ہے۔ اب حالات بدل گئے ہیں۔ اب میں چاہوں تو اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے لئے یہ چیزیں خرید سکتا ہوں۔"

ماں نے کہا۔ "مگر بیٹا تم تو کہا کرتے تھے کہ تم محلے کی گلی ٹھیک کراؤ گے۔ ہسپتال تعمیر کرواؤ گے اور بچوں کا سکول بنواؤ گے؟ وہ تمہارے سارے وعدے کہاں چلے گئے؟"

وحید نے جھلا کر کہا۔

"ماں تم تو ایسی باتیں کر رہی ہو جیسے میں نے کوئی جوئے میں دولت ہار دی ہے' جیسے میں کوئی چور ڈاکو ہوں۔ آخر میں کوئی جن نہیں ہوں کہ ایک ہی دن میں سب وعدے پورے کر دوں۔ آہستہ آہستہ یہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ تم میرے ساتھ بنگلے میں چلو تو سہی پھر

انشاءاللہ سب کچھ ہو جائے گا۔"

"بیٹا مجھے تو تم اسی گھر میں ہی رہنے دو۔ میں یہاں بڑے آرام سے رہوں گی۔ تم دوسرے تیسرے دن آ کر مل جایا کرنا۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"نہیں ماں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہاں رہ گئیں اور میں بنگلے میں چلا گیا تو جانتی ہو لوگ کیا کہیں گے؟ وہ کہیں گے وحید کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ دولت نے اسے اندھا اور خود غرض بنا دیا ہے۔ خود بنگلے میں چلا گیا ہے اور ماں کو اسی گھر میں چھوڑ گیا ہے۔ نہیں نہیں ماں۔ میں تمہیں یہاں اکیلی چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

چنانچہ ماں مجبور ہو گئی۔ دو روز بعد یہ کنبہ اپنا سارا سامان وغیرہ باندھ کر کچھ پرانا سامان ایک کمرے میں بند کر کے گلبرگ والی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ رضیہ نے پرنم آنکھوں سے انہیں گلی میں سے گزرتے دیکھا۔ اسلم گلی کے موڑ تک انہیں چھوڑنے گیا۔ سامان ایک بڑے سے ٹرک میں رکھ دیا گیا تھا' وحید اس کی والدہ' عذرا اور جیدی ایک کار میں سوار تھے۔ وحید اسلم کے گلے لگ کر ملا۔ اس نے اسے ساتھ چلنے کو کہا مگر اسلم نے کہا۔

"دوست میرا ان گلیوں سے رشتہ بڑا گہرا ہے۔ میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں اسی گلی میں رہ کر تمہارا انتظار کروں گا۔"

وحید نے آخری بار گلی میں نگاہ ڈالی۔ رضیہ چق کے پیچھے لگی آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے اپنا آپ وحید کی نظروں سے چھپا رکھا تھا۔ کار روانہ ہو گئی۔ بوڑھی عورت نے اپنے پرانے مکان پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور اپنے آنسو نہ روک سکی۔ یہ مختصر سا قافلہ گلبرگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رضیہ چپکے سے چھت پر سے اتر کر صحن میں آ گئی۔ مکان ویران ہو رہا تھا۔ آنگن میں عشق پیچاں کی بیل سوکھی پڑی تھی۔ فرش پر مسلے ہوئے کاغذ اور خالی ڈبے بکھرے پڑے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ایک خالی ڈبہ اٹھا کر بالٹی میں سے پانی بھرا اور سوکھی بیل کے گملے میں انڈیل دیا۔ پھر اس نے باورچی خانے میں جا کر دیکھا چولہا ٹھنڈا ہو چکا تھا اور وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے ٹھنڈے چولہے کو ہاتھ لگا کر اس کی راکھ اپنے ماتھے پر لگائی۔ آہ! اب اس چولہے میں پھر کبھی آگ نہیں جلے گی۔ تصور میں اس نے دکھا کہ چولہے پر کیتلی ابل رہی ہے۔ وحید' عذرا' جیدی' اور اسلم بیٹھے ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں۔ رضیہ وحید کے پیالے میں چائے ڈال رہی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ رضیہ سکتے میں آ گئی۔ بدنصیب رضیہ! سونے کی تیز آندھی نے تیری مسکراہٹ ختم کر دی۔ تیرے ہرے بھرے گلشن کو اجاڑ دیا۔ کیا تیرے آنگن میں پھر کبھی پھول نہیں

کھلیں گے؟ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپا اور تیزی سے اپنے مکان کی طرف بھاگ گئی۔

وحید کو اپنی والدہ اور بہن بھائی سمیت گلبرگ والے بنگلے میں آئے ایک سال ہو گیا ہے۔ سوائے بوڑھی عورت کے اس کنبے کے ہر فرد کی کایا پلٹ گئی ہے۔ عذرا کالج میں داخل ہو گئی ہے۔ اس نے نئے فیشن کے بال کٹوا لئے ہیں۔ وہ چست لباس پہننے لگی ہے اور اس نے برقع اتار دیا ہے۔ وہ بڑی محنت سے ناخنوں کو پالش کرتی ہے۔ بھنویں بناتی ہے اور ہونٹوں پر سرخی کی ہلکی سی تہہ جماتی ہے۔ اس کی نئی سہیلیاں بن گئی ہیں۔ وہ وحید کی گاڑی میں بیٹھ کر کالج جاتی ہے۔ اور گاڑی اسے کالج سے گھر لے آتی ہے۔ جیدی بھی ایک انگریزی سکول میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ بھی اپنے لباس اور وضع قطع سے پہچانا نہیں جاتا۔ یہ بچے صبح کو ایک بہت بڑے میز پر بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں' دلیہ کھاتے ہیں' سیب کھاتے ہیں' دودھ پیتے ہیں' ڈبل روٹی پر بالائی اور شہد لگا کر کھاتے ہیں۔ ان کے چہرے شگفتہ ہیں۔ انہیں سوائے ہنسنے کھیلنے' قہقہے لگانے اور نئی نئی چیزیں خریدنے کے اور کوئی کام نہیں۔

وحید کی مصروفیات میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے۔ جب سے وہ اس نئے بنگلے میں آیا ہے صرف ایک بار رضیہ سے مل سکا ہے۔ اسے اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ ان گندی گلیوں میں جا کر رضیہ کی خیر و عافیت دریافت کرے۔ اسلم سے بھی اس کی ملاقات ایک عرصے سے نہیں ہوئی۔ وہ نیلم کے پنجے میں پوری طرح پھنس چکا ہے۔ اس نے درآمد و برآمد کا ایک دفتر کھول رکھا ہے۔ دفتر کا سارا کام ایک منیجر کے سپرد کر کے وہ خود سارا سارا دن نیلم کے ساتھ آزادانہ گھومتا رہتا ہے۔ نیلم نے نجم سے دوستی کو نہیں چھوڑا۔ وہ چھپ کر نجم سے ملتی ہے۔ نجم اسے وحید کی دولت ہتھیانے کے نت نئے طریقے بتاتا ہے۔ اس نے وحید سے اپنے لئے شہر کے باہر ایک نہر کے کنارے چھوٹی سی بڑی پر فضا کوٹھی بنوا رکھی ہے۔

اس کوٹھی کے چار کمرے ہیں۔ ہر کمرے میں ہر طرح کا سامان آسائش موجود ہے۔ کوٹھی کو چاروں طرف سے اونچی لمبی دیوار نے گھیر رکھا ہے۔ جس کے اوپر لوہے کا خاردار جنگلہ لگا ہے۔ یہ کوٹھی گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اندر تالاب ہے۔ جس میں بطخیں تیرتی رہتی ہیں۔ کمروں میں قالین بچھے ہیں۔ بیش قیمت فرنیچر پڑا ہے۔ کھانے پینے کی ہر چیز افراط سے پڑی ہے۔ اس کوٹھی کا نام نیلم لاج رکھا گیا ہے۔ وحید نیلم کے ساتھ ہفتے میں دو ایک بار اس کوٹھی میں آتا ہے۔ یہ دونوں دنیا والوں سے دور رہ کر یہاں اکیلے ایک دن اور پوری رات عیش و عشرت میں بسر کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔ وحید نے نیلم کو بے بہا تحفوں سے لاد دیا ہے۔ اس نے نیلم کو دو ہزار کے زیورات کا سیٹ دے رکھا ہے۔ ساڑھیوں اور کپڑوں کا کوئی شمار نہیں۔ نیلم نے اتنی آسائش پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وحید نیلم کو اپنی کوٹھی پر بھی لے آتا ہے۔ ماں نے دو ایک بار اعتراض کیا تو وحید نے اسے چپ کرا دیا کہ آخر دوستی میں حرج ہی کیا ہے اور پھر

وہ اس کے چچا کی بیٹی ہے۔کوئی غیر نہیں ہے۔نیلم نے عذرا کو بھی اپنے اثر میں لے رکھا ہے۔عذرا نیلم کے فیشن کی نقل کرتی ہے۔اس نے عذرا کو رقص بھی سکھلانے کی ترغیب دے دی اور عذرا نے وحید کو مجبور کر کے ایک ایسے کالج میں داخلہ لے لیا۔جہاں وہ ہر شام ایک گھنٹے کے لئے رقص کی تعلیم لینے جاتی ہے۔ماں نے اعتراض کیا تو وحید نے کہا۔

''ماں یہاں رہ کر ایسی باتیں کرنی ہی پڑتی ہیں۔اگر عذرا نے تھوڑا بہت رقص نہ سیکھا تو ہمیں اونچی سوسائٹی میں اس کے لئے کوئی رشتہ نہ مل سکے گا۔''

''بیٹا ہمیں ایسا رشتہ نہیں چاہیے' جس کے لئے لڑکیوں کو ناچنا گانا سیکھنا پڑے۔''

''تو کیا تم چاہتی ہو کہ تم عذرا کی شادی کسی نانبائی سے کر دیں؟ اسے کسی کلرک کے ساتھ بیاہ دیں۔نہیں نہیں ماں اب ہم رتبے کے مطابق عذرا کا خاوند تلاش کریں گے۔ہمیں ان باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔''

شروع شروع میں تو عذرا بھی تھوڑا بہت شرمائی۔مگر دو ایک بار گاڑی میں نیلم کے ساتھ باہر جانے کے بعد اس کے اندر بھی صدیوں سے سوئے ہوئے ارمان ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے' آرزوئیں بیدار ہو گئیں۔عذرا جوان لڑکی تھی ارجذبات کی بلندیوں پر کھڑی تھی۔ایسے جذبات جو اگر ایک بار بھڑک جائیں تو اسے دنیا کی کوئی طاقت بجھا نہیں سکتی۔

وحید اگرچہ نیلم سے اس طرح محبت نہیں کرتا تھا جس طرح اس نے رضیہ سے کی تھی اور دل کا ایک گوشہ اب بھی اس سے محبت کر رہا تھا۔مگر اس نے نیلم کو مغلوب ضرور کر لیا تھا اور وہ یہی چاہتا تھا۔وہ نیلم کو رضیہ ایسی محبت تو نہیں دے سکا تھا لیکن وہ نیلم کے بھرے بھرے خوبصورت جسم' اس کے عالیشان ماحول' کلب کی رنگین زندگی' فیشن ایبل لباس' جدید طرز کے گھنگھریالے بالوں' عطر میں بسے ہوئے خوشبو اڑاتے ہوئے سینے اور نئی روشنی کی ان تمام علامتوں سے متاثر ضرور ہو چکا تھا۔جن کے وہ محض خواب ہی دیکھا کرتا تھا۔اس لئے اس کے تصور میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب وہ نئے ماڈل کی خوبصورت کار میں ایک ماڈرن اور نئی تہذیب کی علمبردار تتلی کو پہلو میں بٹھائے شہر کی بارونق سڑکوں پر سے گزر رہا ہوگا اور لوگ اس کی قسمت پر رشک کیا کریں گے اور اسے پر حسد نگاہوں سے دیکھا کریں گے۔اس نے دن رات محنت کر کے' خون پسینہ ایک کر کے کمائی کی تھی اور پھر بھی اپنے دنیاوی فرائض پورے نہ کر سکا تھا اور ہمیشہ مقروض ہی رہا تھا۔

اب اسے اچانک دولت مل گئی تھی۔گویا الہ دین کا چراغ ہاتھ میں آ گیا تھا۔چنانچہ وہ اپنی خواہشات سے دو قدم آگے آگے چل رہا تھا اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خواہش پہلے پوری ہو جاتی تھی اور اسے اس کا احساس بعد میں ہوتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ اس خواہش کی

تکمیل کی حقیقی لذت سے محروم تھا۔ درختوں کے پتوں کی طرح جورات کو فضاء میں سے نمی حاصل کرنے کے لئے اپنا آپ پھیلا دیتے ہیں۔ وحید نے بھی اس نئے ماحول میں اپنے تمام حواس اور حسیات کو پھیلا دیا تھا تا کہ زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کر سکے اور عیش و عشرت کے انتہائی کناروں کو چھو سکے۔

اس کے علاوہ اس کے اندر ایک قسم کا انتقامی جذبہ بھی کام کر رہا تھا۔ وہ اس سوسائٹی سے انتقام لینا چاہتا تھا' جس نے اسے صبح سے شام تک غلیظ ماحول اور پر شور دفتر میں جانور کی طرح کام کرنے پر مجبور کیا' جس نے اس کے سر پر قرضوں کا بوجھ لاد دیا اور اسے غریبی اور افلاس کے جہنم میں جھلنے کے لئے جھونک دیا۔ وہ رضیہ' اسلم' اپنی گلی' اپنے مکان' اس مکان میں سر شام برپا ہونے والی شام کی محفلوں' آنگن اور آنگن میں رضیہ کے صحن کی جانب کھلنے والی کھڑکی کو نہیں بھولا تھا۔ دراصل اس نئے ماحول میں الجھ کر وہ ان پرانے دوستوں سے اس قدر دور ہوتا جا رہا تھا کہ اب اسے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ماضی کی ان پرانی یادگاروں کو دیکھنا پڑتا تھا۔ نیلم نے اس دوران میں وحید کو اپنی ہوس میں پوری طرح جکڑ لیا تھا اور وحید اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح کام کر رہا تھا۔

وحید نے کئی ایک مشہور کمپنیوں اور کارخانوں کے حصے خرید لئے تھے اور مختلف جگہوں پر اپنا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ یہ کام زیادہ تر درآمد برآمد کا تھا۔ وہ خود تو اس قسم کے کاروبار کی تکنیکی دشواریوں اور پیچیدگیوں سے ناواقف تھا لیکن نیلم نے اسے پوری طرح اپنے اعتماد میں لے کر اس کے اردگرد نجم کی وساطت سے ایسے لوگوں کا جال پھیلا دیا تھا جو وحید کے ہر قسم کے فرائض سرانجام دیتے تھے لیکن اشاروں پر نیلم اور نجم کے چلتے تھے۔ یہ سارا جال نیلم نے نجم کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا اگرچہ وہ نجم سے وحید کے سامنے کبھی نہیں ملی تھی اور اس نے وحید کو یہی تاثر دیا تھا کہ اب وہ نجم سے کبھی نہیں ملتی اور اس نے اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر دوسرے روز نجم سے چھپ کر ایک ہوٹل میں ملاقات کرتی اور اسے اپنی پرانی کاروائیوں کی تفصیلات بتاتی اور آئندہ کے بارے میں ہدایات حاصل کرتی۔ اس کے بعد وہ دونوں مل کر شراب پیتے اور وحید کی بے وقوفیوں اور اپنی کامیابیوں پر قہقہے لگاتے۔

وحید کو ان باتوں کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اس کا کام صبح دیر سے اٹھنا ناشتے کے بعد دفتر جا کر ایک آدھ گھنٹہ بسر کرنا اور پھر نیلم سے مل کر سارا دن شہر کے ہوٹلوں' کلبوں اور تفریح گاہوں میں گھومنا تھا اور پھر رات کو شراب کے نشے میں دھت گھر لوٹنا۔ اب اس نے باقاعدہ شراب پینی شروع کر دی تھی۔ اس کی ماں کو جب پہلی بار اس کا علم ہوا تو وہ بڑا روئی' مگر وہ سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دو چار دنوں کے لئے اپنے پرانے مکاں میں روٹھ کر چلی گئی مگر وحید انہیں جا کر واپس لے آیا ان سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

نیلم کے باپ یعنی وحید کے چچا کو ان تمام باتوں کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے نیلم کو بلا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ وحید کی زندگی کو تباہ نہ کرے۔ مگر نیلم نے سنی ان سنی کر دی۔ بلکہ نیلم نے اسے کہا کہ وحید کی زندگی کو برباد نہیں کر رہی بلکہ اسے سنوار رہی ہے۔ اس نے تو اسے کاروبار چلانے میں پوری مدد دی ہے۔'' بوڑھے باپ نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم نے کس قسم کے کاروبار میں وحید کی مدد کی ہے۔ پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی ماں کے ساتھ مل کر اس شخص کی زندگی تباہ کرو۔''

نیلم نے سر اٹھا کر کہا۔

''میں وحید سے محبت کرتی ہوں۔ وحید مجھ سے کرتا ہے اور ہماری محبت سے ایک دنیا جلتی ہے۔ جس میں آپ بھی ہیں۔ مگر ہماری محبت کو دنیا والے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

بوڑھے فوجی نے کہا۔

''بات کو دوسری طرف لے جانے کی کوشش نہ کرو نیلم۔ میں نے اگرچہ تمہیں پیدا نہیں کیا لیکن تم ایسی کئی لڑکیوں کو جنم دے سکتا ہوں۔ تم وحید کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہو مگر مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتیں۔''

نیلم نے تنک کر کہا۔

''تو آپ کا خیال ہے کہ میں وحید کی دولت کے لئے اس کے ساتھ پیار کرتی ہوں۔ کیا میں وحید کی دولت کے لئے اس سے محبت کر رہی ہوں؟''

''محبت نہیں بلکہ تم اس کی دولت کے لئے اسے تباہ کر رہی ہو۔ یاد رکھو برائی کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ ایک دن تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے گا۔''

نیلم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے ساری گفتگو اپنی ممی کو جا کر سنا دی۔ ممی نے کہا۔

''تم فکر نہ کرو۔ یہ بڈھا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہاں تم ایک بات ضرور کرو۔ وحید کو اس سے پہلے کہ یہ شخص کچھ کہے سنے تم اس کے کان بھر دو اور اس کی جانب سے اس کا دل پھیر دو۔''

چنانچہ نیلم نے ایسا ہی کیا۔ اس نے وحید کو شام کی ملاقات میں یہ ساری باتیں سنا دیں اور کہا کہ اس کا باپ ان دونوں کے تعلقات اور محبت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک ساتھ بیٹھ کر ہنسیں اور قہقہے

لگائیں۔"

وحید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں نیلم! انہیں ہماری محبت ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لئے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم مجھ سے نہیں بلکہ میری دولت سے محبت کرتی ہو۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے نا نیلم؟"

"بالکل! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے وحید کہ میں تم سے نہیں بلکہ تمہارے روپے پیسوں سے محبت کروں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں تو صرف تم سے اور صرف تم سے محبت کرتی ہوں' تم اگر غریب بھی ہوجاؤ تو تمہارے ساتھ ہی رہوں گی اور کبھی تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ مگر کیا کروں ڈیڈی ہمارے خلاف ہیں اور ہمارا میل ملاپ انہیں بالکل پسند نہیں۔"

وحید نے نیلم کو سینے سے لگا کر کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ وہ ذرا پرانے خیالات کے بزرگ ہیں۔ اگر انہوں نے مجھ سے اس سلسلے میں بات کی تو میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

چنانچہ ایک روز جب چچا نے وحید کو بلوا بھیجا تو انہوں نے وحید سے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد نیلم کی بات چھیڑ دی۔ انہوں نے کہا۔

"بیٹا تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو۔ مگر میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ جانتا ہوں جوانی بڑھاپے کو کبھی نہیں سمجھ سکتی مگر کوشش کروں گا کہ تم حقیقت کی روشنی کو دیکھ سکو۔"

اس کے بعد چچا نے پوری طرح وحید کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ نیلم محض اس کی دولت کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل رہی ہے اور اسے وحید کی محبت سے کسی قسم کا سروکار نہیں ہے اور اسے اس کے ہتھکنڈوں سے خبردار رہنا چاہیے۔ لیکن وحید کے سر پر تو نیلم کی جوانی' شباب' حسن اور گرمجوشی ہم آغوشیاں بھوت بن کر سوار ہوچکی تھیں۔ وہ کبھی یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ نیلم اس سے فریب کر رہی ہے۔

ویسے بھی وہ خود اب نیلم سے پیار کرنے لگا تھا اور کسی سے یہ بات نہیں سننا چاہتا تھا کہ نیلم اس سے دھوکہ کر رہی ہے اور محض اس کی دولت سے کھیل رہی ہے۔ بوڑھا چچا خاموش ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وحید کے سر پر جوانی سوار ہے اور وہ کسی کے سمجھانے سے نہیں سمجھ سکتا۔ وہ خاموشی سے پائپ جھاڑ کر آتشدان کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وحید کے پاس دولت' شہرت' عزت اور ضروریات کی ہر چیز بہ کثرت موجود تھی۔ مگر وہ سکون اور اطمینان قلب رخصت ہو چکا تھا جو کبھی پرانی بستی والی گلی کے مکان میں ہر وقت ہر گھڑی موجود رہتا تھا۔ وہاں جب شام کے وقت وحید' اس کی امی' عذرا اور اسلم تخت پوش پر میلی چٹائی بچھا کر یا چارپائی پر پیالیاں سجا کر بیٹھ جاتے تو کمرے میں چائے کی خوشبو اور ان کی پیاری پیاری باتوں سے ایک قسم کی پرسکون' مہربان اور لطیف گھریلو فضا طاری ہو جاتی۔ ان کے چہرے خوشی' اطمینان قلب اور ایک دوسرے کی محبت سے چمکنے لگتے اور انہیں محسوس ہوتا کہ اگرچہ ان کے پاس دولت' محل کوٹھی یا کاریں نہیں ہیں پھر بھی سکون اور اطمینان کے کچھ ایسے لمحات ضرور آتے ہیں جب خدا کی رحمتوں کا سایہ ان پر نور برسا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اب جیسے وہ سایہ ان کے سروں پر سے اٹھ گیا تھا۔ اب وہ بات نہ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے بانسری کے سینے میں سے سارے راگ نوچ کر خالی بانس کی خشک پوری کو دلدل میں پھینک دیا ہو۔ اب فراغت پہلے سے زیادہ تھی مگر سکون غائب تھا۔ پھولوں کے رنگ پہلے سے زیادہ شوخ تھے مگر خوشبو کہیں نہ تھی۔ ہاتھ زیادہ گرم جوشی سے آگے بڑھتے تھے لیکن خلوص عنقا ہو گیا تھا۔ راتیں پہلے سے زیادہ لمبی اور حسین ہو گئی تھیں مگر نیند کا نشان نہ ملتا تھا اور اگر نیند آ جاتی تھی تو دور دور تک کوئی بھی خواب دکھائی نہ دیتا تھا۔

نوکروں کا ہجوم اردگرد پھرتا تھا لیکن ان کو کہنے کے لئے کچھ نہ ہوتا تھا۔ اب شام کی چائے کا یہ عالم ہوتا کہ وحید نے بہترین سوٹ پہن رکھا ہے۔ سفید کالر اور کالی بوٹائی سے گردن تنی ہوئی ہے۔ کوٹ میں گلاب کا پھول سجا ہوا ہے۔ لمبی میز پر چائے کا بیش قیمت سامان رکھا ہے۔ امی اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی ہے۔ عذرا اپنے کسی دوست کے ساتھ کسی کلب میں ڈانس کر رہی ہے۔ نیلم کسی ہوٹل میں نجم کے ساتھ بیٹھی وحید کے حصے بکوانے کے لئے کوئی نئی سکیم بنا رہی ہے۔ کمرہ سرد اور ویران ہے۔ اتنا بڑا ہال خالی بے جان پڑا ہے۔ نوکریوں دبے پاؤں چل رہے ہیں جیسے قبرستان میں نکل آئے ہوں۔ وحید ایک گھونٹ پیتا ہے جو حلق میں زہر بن کر اتر جاتا ہے۔ اسے کمرے کی ویرانی' سنگین خاموشی اور بے جان ٹھنڈک سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ وہ نوکر کو زور سے بلاتا ہے۔

''جی سرکار۔''

''چائے ٹھنڈی کیوں ہے؟''

''حضور میں تو ابھی گرم لایا تھا''

''بکواس بند کرو۔''

اور وحید زور سے پیالی زمین پر مار کر باہر نکل جاتا ہے۔

وحید کا کوئی بھی پرانا دوست اب اسے ملنے گلبرگ لاج میں نہیں آتا۔ کیوں کہ اب ان کے اور وحید کے درمیان دولت کا پردہ آن گرا تھا' سونے کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ انہیں حقیر اور گھٹیا سمجھنے لگا ہو اور اس طرح وحید سے ملنے میں ان کی سبکی ہو۔ وحید کے پرانے گلی والے مکان میں تالہ پڑا ہے۔ صحن میں بلبلوں کا ایک جوڑا آ کر بیٹھتا ہے۔ لیکن انہیں دانہ ڈالنے والا کوئی نہیں۔ چڑیوں کو پانی پلانے والا پیالہ خالی پڑا ہے۔ کبھی کبھی رضیہ چپکے سے وہاں آ کر بیل کو پانی دے جاتی ہے مگر بیل سوکھ چلی ہے۔ آنگن میں گرد اڑنے لگی ہے۔ رضیہ اپنی کھڑکی سے لگی یہ دلگداز منظر دیکھتی ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو ابل پڑتے ہیں۔

وحید نے اسے بھلا دیا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وحید اب اسے کبھی یاد نہیں کرتا۔ وہ اسے اپنے دل سے اتار چکا ہے۔ لیکن وہ اب بھی وحید سے محبت کرتی ہے۔ اسی کی یاد کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔ جب کبھی اسلم اس کے سامنے وحید کی سرد مہری اور بے وفائی کی شکایت کرتا ہے تو وہ اسے یہی کہتی ہے۔

''ایسا نہ کہو بھیا۔ وحید کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے وہ برا نہیں ہے جب یہ پٹی کھل گئی تو وہ پھر پہلے ایسا وحید بن جائے گا۔ پھول کیچڑ میں اور شعلہ دھول میں کبھی میلا نہیں ہوتا۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ اور میں اس کی آمد کا بہت بڑا جشن مناؤں گی۔ اس جشن میں اس آنگن کی سوکھی ہوئی بیل اور بلبلوں کا جوڑا بھی حصہ لے گا۔ وحید ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔''

اسلم سر جھٹک کر کہتا ہے۔

''رضیہ بہن! جانے والے واپس کبھی نہیں آیا کرتے۔ وحید کو نیلم نے اپنے دام محبت میں گرفتار کر رکھا ہے۔ وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اور اگر آیا بھی تو تم اس کی صورت بھی نہ پہچان سکو گی۔''

رضیہ نے آہ بھر کر کہا۔

''میں پھر بھی خدا کا شکر بجا لاؤں گی کہ اس نے مجھے میرا وحید واپس کر دیا۔''

''محبت میں تم انتہا کو پہنچ چکی ہو رضیہ! تم جو کچھ سوچ رہی ہو شاید تمہیں اسی طرح ہی سوچنا چاہیے۔''

رضیہ اندر ہی اندر وحید کا غم کھا رہی تھی۔ وہ ایک دن اچانک بیمار پڑ گئی۔ اسلم نے وحید کو پیغام بھیجا کہ رضیہ بیمار ہے۔ مگر وحید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ رضیہ اور زیادہ بیمار ہو گئی۔ اسلم کو اس بات کا بڑا دکھ ہوا۔ وہ رضیہ کے منع کرنے کے باوجود وحید کو ملنے کے لئے چل پڑتا ہے وہ وحید کی کوٹھی میں داخل ہو کر نوکر سے کہتا ہے۔

''تمہارے صاحب اندر ہیں؟''

''ہاں ہیں۔مگر تم کون ہو؟''

اسلم نے پرانا میلا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔پاؤں میں گرد سے بھرا جوتا تھا۔نوکر نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی کسی کا نوکر ہے۔مگر جب اسلم نے کہا۔

''اندر جا کر انہیں کہو کہ اسلم آیا ہے۔''

تو وہ اس کا منہ تکتا اندر چلا گیا۔اس وقت وحید نیلم کو فون کر رہا تھا۔اور اس سے شام کی ملاقات کا پروگرام بنا رہا تھا۔نوکر کچھ دیر کھڑا رہا۔

وحید نے پوچھا۔''کیا بات ہے؟''

''حضور کوئی ملنے آیا ہے۔''

''انہیں بٹھاؤ۔''

وحید نیلم کو فون کرتا رہا اور نوکر نے اسلم کو جا کر ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا۔کمرہ بڑے تکلف سے سجا ہوا تھا۔وہ حیران ہو ہو کر کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا اور بیٹھا رہا۔

ادھر وحید نیلم کو فون کرتا رہا۔باتیں کرتا رہا۔کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد وحید اندر کمرے میں آیا۔اسلم کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔کچھ پشیمان سا بھی ہوا۔کیونکہ اسے اپنا ماضی یاد آ گیا تھا۔اسلم کا خیال تھا کہ وحید اسے گلے لگائے گا۔مگر وحید نے محض اس کی طرف ہاتھ بڑھانے پر ہی اکتفا کیا۔

''کیوں دوست کیسے ہو؟ یار تم کبھی ملنے نہیں آئے۔کیا یہ سمجھتے ہو کہ وحید اگر دولت مند ہو گیا ہے۔تو اس کا دل بھی بدل گیا ہو گا؟ نہیں نہیں اسلم ایسی بات نہیں ہے۔بات صرف یہ ہے کہ میں بے حد مصروف رہتا ہوں' کاروبار سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ کسی سے بات کر سکوں اور مل سکوں۔تم کیسے ہو؟ اور سب خیریت سے ہیں؟''

''بھائی وحید! اب تو تمہیں صرف وہی آدمی ملنے آ سکتا ہے جس کے پاس نیا کوٹ ٹائی اور پتلون ہو۔''

''کیوں؟ یہ تمہیں کس نے کہا؟''

''بھئی نوکران کپڑوں میں تو کوٹھی کے اندر بھی نہیں گھسنے دے گا۔''

''نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔تم پر میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔''

''میرا خیال ہے وحید کہ اب تم اس دنیا میں پہنچ گئے ہو جہاں صرف کپڑوں کی ہی عزت ہوتی ہے۔اور کپڑوں کے نیچے دھڑکتے ہوئے دل کی دھڑکنوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔کیا تمہیں وہ زمانہ کبھی نہیں یاد آیا وحید جب تم گلی میں رہتے تھے۔جب تم سائیکل پر سوار ہوکر دفتر جایا کرتے تھے اور تم خود راشن لایا کرتے تھے۔''

وحید نے کہا۔''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''صرف اتنا کہ تمہیں اپنے پرانے ماحول کو بھلانا نہیں چاہیے۔اسے یاد رکھنا چاہیے۔''

وحید نے سگریٹ سلگا کر ماچس راکھدان میں مسلتے ہوئے کہا۔

''سنو اسلم!میرے لئے ان گندی گلیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اب انہیں بھلا دینا ہی عقلمندی ہے۔جس طرح دولت ملنے سے پہلے انہیں یاد رکھنا ہی عقل مندی تھا۔انسان کو چاہیے کہ وہ ہر ماحول سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہے اور ہر ماحول میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی صلاحیت پیدا کرے۔''

اسلم نے کہا۔

''مگر یہ بات تو تم نے ہی مجھے ایک روز بتائی تھی کہ سچا انسان وہ ہے جو برے سے برے حالات میں بھی اپنے اصولوں کو حالات کے تقاضوں پر قربان نہ ہونے دے۔''

وحید نے کش لگا کر کہا۔

''میں نے ان لوگوں سے انتقام لینے کی خاطر اپنے اصولوں کو قربان کیا ہے جنہوں نے سالہا سال تک میرے ارمانوں اور میری آرزوؤں کا خون بہایا' جن کی آستینوں میں میری حسرتوں کا گلا کاٹنے والے خنجر چھپے ہیں۔یوں کہو کہ میں نے انہیں خنجر بکف پکڑ لیا ہے۔''

اسلم نے کہا۔

''اس طرح تم اپنے گناہوں پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔تمہاری باتوں سے ہوس کی بو آرہی ہے۔تمہارے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حرص آلود لاش کی طرح جل رہا ہے۔بہتر ہوتا کہ تم جوان مردی کے ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتے۔''

وحید نے کہا۔

''لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے قانون کی اجازت سے کیا ہے۔میں نے کسی کے ہاں ڈاکہ نہیں ڈالا' کسی کا حق نہیں چھینا' کسی کا گلا

نہیں کاٹا۔"

اسلم نے کہا۔

"تم جسے اجازت کہتے ہو وہ قانون کے منہ سے چھینا ہوا نوالہ ہے اور تم اسے آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔"

وحید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو اسلم؟"

اسلم نے کہا۔

صرف اتنا کہ رضیہ بیمار ہے۔"

اچانک وحید کے منہ سے نکل گیا۔

"کون رضیہ؟"

اسلم تو وحید کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ وحید سب کو بھلا دے گا مگر رضیہ کو نہیں بھولا ہوگا۔ اس نے طنزاً مسکرا کر کہا۔

"وہی رضیہ جس سے ملنے کبھی تم راتوں کو چھپ چھپ کر اس کے گھر جایا کرتے تھے۔"

وحید نے سر ہلا کر کہا۔

"ہاں ہاں سمجھ گیا۔ تو رضیہ بیمار ہے کیا؟ مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ اسے کہو کسی ڈاکٹر کو دکھلائے۔ لو یہ اسے دے دینا۔"

وحید نے جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر اسلم کے سامنے میز پر رکھ دیئے۔ اسلم نے نوٹ اٹھا کر وحید کے منہ پر دے مارے۔

"سیٹھ صاحب نوٹوں کا شکریہ! ہم غریب لوگ اپنا پسینہ بیچتے ہیں اپنی غیرت نہیں بیچا کرتے۔"

اور اتنا کہہ کر اسلم وحید کو حیران سا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس رات وحید نے نیلم کے ساتھ کلب میں بہت زیادہ پی لی۔ وہ اپنی ذہنی پریشانی اور ضمیر کی ملامتوں کو شراب کے جام میں غرق کر دینا چاہتا تھا۔ مگر شراب ختم ہو گئی اور وحید کی پریشانی ختم نہ ہوئی۔ وہ نیلم کے جسم کے ساتھ لگ کر بیٹھا رہا اور اس کے سینے پر سر رکھ کر

بے معنی باتیں بڑبڑاتا رہا۔نیلم اسے سنبھالتی رہی مگر وحید بہت پی گیا تھا۔نیلم نے اسے دوایک گولیاں بھی دیں جن سے نشہ کم ہو جاتا تھا۔مگر وحید پر کوئی زیادہ اثر نہ ہوا رات کو نیلم اسے گاڑی میں بٹھا کر اس کی کوٹھی میں چھوڑ کر واپس چلی گئی۔وحید جب کمرے میں گیا تو اندر اس کی والدہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ماں نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو پہلے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔پھر اسے وحید کی حماقتوں پر غصہ آ گیا۔اس نے اسے جھنجھوڑ کر کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے وحید؟ کیا تمہیں اتنا بھی ہوش نہیں رہا کوئی تمہیں تباہ و برباد کر رہا ہے۔تمہیں دوستوں اور دشمنوں میں پہچان نہیں رہی؟''

وحید کو کچھ ہوش آ گیا۔اس نے کہا

''ماں میں سب دوستوں اور دشمنوں کو جانتا ہوں' تم فکر نہ کرو۔''

اور پھر لڑکھڑا سا گیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ماں نے کہا۔

''صبح تم نے اسلم سے جو باتیں کہیں' میں انہیں سن رہی تھی۔تم نے ان لوگوں کو کیوں بھلا دیا ہے' جو غریبی میں تمہارے کام آیا کرتے تھے' جو غریبی میں تمہارے دوست تھے۔'' وحید نے غصے سے کہا۔

''ماں تم خاموش رہو۔میرا کوئی دوست نہیں۔میں نے ساری دنیا کو ٹھیک رکھنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔میں کیا کروں۔میں کیا کروں۔میں کسی کو نہیں جانتا؟''

ماں نے ترش لہجے میں کہا۔

''تم اس چھنال عورت کے جال میں پھنس کر شرافت کو ہاتھ سے کھو بیٹھے ہو۔میرا دودھ اتنا بے اثر ہو گا مجھے معلوم نہ تھا۔تم نے اپنے باپ کی عزت کو بٹہ لگایا ہے۔تم میرے اچھے لڑکے ثابت نہیں ہوئے۔''

وحید نے چیخ کر کہا۔

''ماں! خاموش رہو۔تم جن باتوں کو سمجھ نہیں رہی ہو' ان کے بارے میں کوئی بات نہ کرو۔''

''میں ان سب باتوں کو سمجھتی ہوں۔میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔میں نے تمہیں پیدا کیا ہے' تم نے مجھے جنم نہیں دیا۔میں تمہیں صاف کہے دیتے ہوں کہ نیلم ایک رنڈی کی بیٹی ہے! وہ طوائف زادی ہے وہ تم سے نہیں تمہاری دولت سے پیار کرتی ہے' وہ حرام خور ہے۔وہ۔۔۔۔۔۔۔''

''ماں'' وحید نے چیخ کر کہا اور ماں کو زور سے دھکا دے کر زمین پر گرا دیا۔ بوڑھی عورت زمین پر گر پڑی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بیٹے نے کبھی اونچی آواز میں اس سے بات نہ کی تھی اور آج اس نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھی اور بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس وقت باہر بادلوں میں بجلی زور سے کڑکی اور بارش شروع ہو گئی۔ وحید نشے میں چور تھا۔ لڑکھڑا کر پلنگ پر گرا اور بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔ ماں کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں جا کر جیدی کو اپنے ساتھ لیا اور بارش کے طوفان میں کوٹھی سے باہر نکل آئی۔ بارش زور سے ہو رہی تھی اس نے جیدی کو ساتھ لگا رکھا تھا۔ نوکر سے گاڑی نکلوانے کو کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی نکالی۔

''چلو پرانے گھر۔''

گاڑی بارش، آندھی، بجلی کی کڑک، بادلوں کی گرج میں شہر کی جانب روانہ ہو گئی۔ اپنے محلے کے باہر گاڑی کھڑی کر کے بوڑھی ماں نے جیدی کو ساتھ لیا۔ گاڑی والے سے کہا۔

''گاڑی واپس لے جاؤ''

اور خود برستی بارش، سرد ہوا اور بادلوں کی گرج میں سنسان، گلی میں سے گزر کر اپنے پرانے مکان کی طرف چل پڑی۔ مکان کے باہر کھڑی ہو کر اس نے دہلیز کو ہاتھ لگا کر پیار کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ مکان کا دروازہ کھول کر وہ اندر گئی۔ جیدی نے جلدی سے جا کر اسلم کو خبر دی۔ اسلم گھر سے اٹھ کر بھاگا بھاگا آیا۔

''ماں جی آپ اس وقت یہاں کہاں؟''

ماں کا لباس بارش میں بھیگ رہا تھا۔ اور وہ سردی میں کانپ رہی تھی۔

''میرے بچے کو دولت کی دیوار نے کھا لیا ہے۔ میرا بچہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ رونے لگیں۔ جیدی کے کپڑے بھی بھیگے ہوئے تھے اور وہ بھی سردی سے کانپ رہا تھا۔ گھر بالکل خالی تھا اور سوائے چار پائیوں کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ اسلم نے جلدی سے رضیہ کو جا کر جگایا۔

''رضیہ بہن اٹھو! ماں جی آئی ہیں۔''

''ماں جی؟''

رضیہ نے بستر سے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ماں جی آئی ہیں۔ان کے لئے کپڑے لیتی آنا۔''

رضیہ مکان میں آ کر ماں جی سے لپٹ گئی اور دونوں عورتیں رو پڑیں اور روتی رہیں۔ رضیہ نے ماں جی کو خشک کپڑے پہنائے۔ جیدی کا لباس تبدیل کیا۔اسلم جلدی سے جا کر بستر لے آیا۔رضیہ نے کمرے میں آگ جلا دی۔ کمرہ گرم ہو گیا۔دونوں نے مل کر قہوہ بنا کر جیدی اور ماں جی کو پلایا۔مگر ماں کو بڑا تیز بخار ہو رہا تھا۔ان کا بدن پھنک رہا تھا اور نبض تیز چل رہی تھی۔

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔مگر اس طوفان میں بھی اسلم نے لوئی اوڑھی اور بھاگم بھاگ ایک ڈاکٹر صاحب کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ڈاکٹر بے چارہ اس بارش میں بھیگتا گرم لحاف چھوڑ کر وہاں پہنچا۔ماں جی کو ٹیکہ لگایا اور کہا۔

''اب انہیں نیند آ جائے گی۔کل صبح دکان پر آ کر دوائی لے جانا اور ہاں اب انہیں آرام کرنے دیں۔''

رضیہ ساتھ والی چارپائی پر ساری رات جاگتی رہی۔اسلم گھر چلا گیا۔ماں جی کو نیند ہی نہ آئی۔وہ رات بھر بخار سے پھنکتی رہی۔صبح ہوئی تو ان کی حالت زیادہ خراب تھی۔اسلم سیدھا ڈاکٹر کے ہاں گیا اور اس نے وحید کو کوٹھی پر فون کیا۔نوکر نے کہا صاحب سو رہے ہیں۔اسلم نے کہا۔

''صاحب سے کہو ان کی ماں مر رہی ہے۔''

اس کے بعد اسلم نے فون بند کر دیا۔

ادھر نوکر نے سمجھا کہ کسی نے مذاق کیا ہے۔جب وحید نے آنکھیں کھولی تو بادلوں میں سے سورج نکل کر دھوپ اس پر پڑ رہی تھی۔اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔اچانک اسے خیال آیا کہ رات اس نے ماں کی شان میں گستاخی کی تھی۔اس نے نوکر کو بلایا۔

''ماں جی کہاں ہیں؟''

نوکر نے کہا۔

''جی ڈرائیور نے کہا ہے کہ وہ تو رات ہی کو چلی گئی تھیں۔''

''کہاں؟''

وحید نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جی اپنے گھر۔''

وحید نے اٹھ کر نوکر کو زوردار تھپڑ مار دیا۔

''سرکار میرا کوئی قصور نہیں۔ ابھی ابھی فون پر کسی نے کہا کہ حضور کی ماں کی حالت خراب ہے۔ حضور میں تو سمجھا کہ کسی نے۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا کہا؟ ماں کی حالت خراب ہے؟ فون پر کسی نے کہا تھا۔۔۔۔۔۔۔؟''

وحید بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی سٹارٹ کی اور اڑتا ہوا اپنے پرانے محلے میں پہنچ گیا۔ جب وہ مکان میں داخل ہوا تو اس نے ماں کے بخار میں کراہنے کی آواز سنی اس کی جان میں جان آئی رضیہ وحید کو دیکھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

وحید ماں کے قدموں سے لگ کر رو پڑا۔

''ماں مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو ماں۔۔۔۔۔۔۔''

ماں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''بیٹا تم آ گئے۔ میں جانتی تھی تم ضرور آؤ گے۔ ضرور آ گے دیکھا اسلم! وحید آ گیا نا۔۔۔۔۔۔۔''

وحید اس روز بیمار ماں کو کوٹھی پر لے آیا۔ اس نے بہترین سے بہترین ڈاکٹر کو گھر پر بلا لیا۔ مگر ماں کی حالت خراب سے خراب تر ہونے لگی۔ وحید پریشان ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ ماں کو باہر ولایت جا کر ڈاکٹر کو دکھلایا جائے۔ اس نے پاسپورٹ کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ دو ہفتے بیمار رہنے کے بعد وحید کی ماں اللہ کو پیاری ہو گئی۔

ایک ماہ تک وحید اپنی کوٹھی سے باہر نہ نکلا۔ وہ ماں کو یاد کر کے روتا رہا اور شراب پی پی کر اپنے آپ کو پیٹتا رہا۔ نیلم اور عذرا اسے سنبھالتی رہیں۔ کوئی دو ماہ کے بعد جا کر کہیں وحید کی حالت ذرا سنبھلی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا وحید ماں کے غم کو بھولتا چلا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب ماں کے صدمے کو پوری طرح بھول چکا تھا اور ایک بار پھر نیلم کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔

نیلم کے والد بھی اس دوران میں خدا کو پیارے ہو گئے تھے اور ممی کی حالت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ اسے پچاس روپے روز کے مارفیے کے ٹیکے لگتے تھے۔ روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے کوٹھی کا آدھا حصہ کرائے پر دے دیا تھا۔ لیکن گزارہ پھر بھی مشکل سے ہوتا تھا۔ اسی عالم میں ایک روز نیلم کی ماں بھی انتقال کر گئی۔ ماں کی وفات کے بعد نیلم نے ساری کوٹھی کرائے پر دے دی اور وحید کے اصرار پر وحید کے بنگلے میں ہی آ گئی۔

وحید کے بنگلے میں آ کر نیلم نے گھر کے سارے امور پر اپنا اقتدار جما لیا۔ یہاں اب اس کا کوئی بھی حریف نہیں تھا۔ وہ اپنے ہر کام کے لئے آزاد تھی۔ عذرا پہلے ہی سے اس کے اثر میں تھی۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ اس نے جیدی کو سکول کے ہوسٹل میں داخل کروا دیا تھا۔ اب وہ وحید کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں آزاد تھی۔

وہ ہر رات وحید کے ساتھ نیلم لاج میں جا کر داد عیش دیتی۔ وہاں جا کر رقص و شراب کی لہروں میں کھو جاتے اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ رہتا۔ ''نیلم لاج'' شہر کے ہنگاموں سے دور ایک پر فضا مقام پر ستان کوٹھی تھی۔ یہاں سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہ ہوتا۔ اور وہ اس تنہائی کا پورا پورا فائدہ اور لطف اٹھاتے۔ اسی لاج میں وحید نے نیلم کے سامنے شادی کی تجویز رکھ دی نیلم بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ وحید سے شادی کر کے اس کی ساری دولت اور جائیداد کی مالک بن جائے۔

وہ اس تجویز پر دل ہی دل میں کوشی سے پھولی نہ سمائی۔ اس کے دل کی بات وحید نے خود اپنی زبان سے ادا کر دی تھی۔ اس کی خواہش کو وحید نے اپنی خواہش بنا کر پیش کر دیا تھا۔ مگر اس نے اپنی خوشی کو بالکل نہ ظاہر ہونے دیا۔ بلکہ وحید کی آتش شوق کو یہ کہہ کر اور بھڑکا دیا۔

''تمہیں اس بات پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے وحید۔''

''میں نے اچھی طرح غور کر لیا ہے۔ نیلم اور اب غور نہیں بلکہ محبت کا معاملہ ہے۔ محبت کا عقل سے بلند مقام ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں' میں تم سے پیار کرتا ہوں اور تم سے صرف اس لئے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ تم سے پیار کرتا ہوں اور سوائے پیار کے اور کچھ نہیں جانتا۔''

نیلم نے وحید کے گلاس میں مزید شراب ڈال دی اور اس کا منہ چوم کر بولی۔

''کیا مجھ سے اکتا تو نہیں جاؤ گے وحید؟''

''میں زندگی سے اکتا سکتا ہوں نیلم مگر تم سے نہیں۔''

اور اس کے ساتھ ہی وحید نے نیلم کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ سردیوں کی آخری بارش۔۔۔۔۔۔۔اندر کمرہ گرم تھا۔ اور ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ دو ہیٹر جل رہے تھے۔ کھڑکیوں پر پردے گرے تھے۔ باہر سوائے بارش کی آواز کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ وحید نے نیلم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ نیلم کو بھی نشہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی وحید سے لپٹ گئی۔ باہر بادل زور سے گرجا۔ وحید نے نیلم کے سینے پر اپنا منہ رکھ دیا۔

نیلم نے ذرا سا مسکرا کر سینے کے بند کھول دیئے۔ باہر بادل مزید زور سے گرجا اور اندر کمرے میں نیلم اور وحید ایک دوسرے سے لپٹ کر پلنگ پر گر پڑے۔

اگلے روز نیلم نے وحید کی شادی کی تجویز کا نجم سے ذکر کیا۔

''آج میری امیدوں کی ڈالی پھل لے آئی ہے۔ آج میں بے حد خوش ہوں نجم! آج میں وحید کی ساری دولت کی حق دار بننے کے خواب کو پورا ہوتے دیکھ رہی ہوں۔''

نجم نے ناراضگی سے کہا۔

''مگر نیلم! شادی کے بعد تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گی۔ اور میں تمہیں اور تم مجھے جدا نہیں کر سکتیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے جزو بن کر رہ گئے ہیں۔ لوگوں کو محبت ایک دوسرے کے قریب کرتی ہے۔ مگر ہمیں مکر و فریب نے ایک جگہ یکجا کر دیا ہے۔ ہماری جعل سازیوں کے رشتے بھی اتنے ہی گہرے ہیں' جتنے بے غرض محبت کے ہو سکتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔ میں تمہارے ساتھ مل کر وحید کو لوٹ سکتا ہوں۔ مگر تمہارا ہاتھ ہمیشہ کے لئے وحید کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔ اگر تم نے وحید سے شادی کر لی تو میں تمہارا راز طشت از بام کر دوں گا۔ یاد رکھو محبت اندھی ہوتی ہے مگر ریاکاری اندھی نہیں ہوتی۔ اس کی کئی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ ایک آنکھ سے نہیں بلکہ ہزاروں آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ تم مجھ سے الگ ہو کر مجھ سے چھپ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔''

نیلم نے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو نجم!''

''یہی جو کبھی تم مجھے کہا کرتی تھیں۔ یہ تو ایک وحید ہے نیلم! ابھی ہمیں مل کر کتنے ہی وحیدوں کو لوٹنا ہے۔ میں بھی کبھی وحید تھا مگر سوسائٹی نے مجھے نجم بنا دیا۔ اب میں ہر وحید کو نجم بنانے کے لئے بیتاب ہوں۔ اور میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ تم وحید کی ہو کر رہ جاؤ اور اس کی دولت کی اکیلی مالک بن بیٹھو۔''

نیلم حیران سی ہو کر رہ گئی۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ نجم اس طرح اس کا سارا پروگرام ملیامیٹ کر دے گا۔ وہ حیران بھی ہوئی اور خوفزدہ بھی۔ نجم اس کے تمام کارناموں سے واقف تھا۔ اس کی ساری سازشوں سے باخبر تھا۔ اس کا ایک ہلکا سا اشارہ نیلم کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا اور اسے وحید کی نگاہوں میں ذلیل بھی کر سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے بڑی ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

''نجم! مجھے آج معلوم ہوا کہ تم مجھ سے واقعی پیار کرتے ہو اور اپنے سے الگ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ اگر واقعی تم مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو تو میں وحید سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔ بلکہ تمہارے ساتھ مل کر اس کی دولت کا بقایا صاف کروں گی۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی نیلم۔''

نجم نے خوش ہو کر نیلم کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

نیلم نے حیرانی سے پوچھا۔

''مگر نجم جب وحید کی ساری دولت پر قبضہ کر لیں گے تو پھر کیا کریں گے؟''

''ہم یورپ جا کر شادی کر لیں گے۔''

''تم کتنے پیارے ہو نجم۔''

نیلم نے آگے بڑھ کر نجم کا منہ چوم لیا۔ جب وہ رات کو گھر آئی تو وحید کے کمرے میں گئی۔ وحید بستر پر لیٹا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ نیلم نے جاتے ہی وحید کا منہ چوم لیا۔

''تم نے دیر کر دی نیلم۔''

''ہاں میری جان! سہیلیوں نے بٹھائے رکھا۔ آنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ سالگرہ جو تھی مجبور ہو گئی۔ تم سناؤ سر درد کا کیا حال ہے؟''

''اب ٹھیک ہے۔''

''تو پھر شب بخیر۔''

''شب بخیر!''

دوسرے روز نیلم نے وحید سے یہ کہا کہ چونکہ ان کی شادی غیر معمولی حالات میں ہو رہی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ وہ شادی کہیں باہر یورپ میں جا کر کریں اور وہیں ہنی مون منائیں۔''

وحید نے کہا۔

''میں خود یہی چاہتا ہوں کہ ان بکھیڑوں سے دور رہ کر شادی کروں اور تمہارے ساتھ کچھ خوبصورت اور پر سکون دن گزاروں۔

عذرا کی ملاقات ایک لڑکے سے ہو گئی۔

اس لڑکے کا نام شہباز تھا۔ وہ ایک امیر تاجر کا بگڑا ہو عیاش طبع لڑکا تھا اور اس کا کام روپے اور کار کے بل بوتے پر نئی نئی لڑکیوں کا رس چوسنا اور فلرٹ کرنا تھا۔ عذرا چونکہ خوبصورت تھی' نوجوان تھی اور جدید فیشن کے تمام لوازمات سے بہرہ ور تھی اس لئے شہباز نے اس سے تعلقات بڑھانا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ عذرا سے اس کی پہلی ملاقات ایک محفل رقص وسرود میں ہوئی۔ یہ ایک کلچرل شو تھا اور یہاں ٹی بی کے مریضوں کے لیے عذرا نے سپیرا ڈانس کا مظاہرہ کیا۔ اس رقص کو لوگوں نے بے حد پسند کیا۔ شہباز نے رقص کرنے والی کو اپنے لئے پسند کیا۔ جب شو ختم ہوا تو شہباز نے عذرا کے پاس جا کر کہا۔

''مجھے آپ کا رقص بے حد پسند آیا ہے۔ محترمہ! میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ ایسی لڑکیوں کے دم قدم سے اس فن کی قدرو قیمت ابھی باقی ہے۔''

عذرا نے مسکرا کر کہا۔

''شکریہ''

''شکریہ یہ تو محض ایک رسمی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ کے رقص نے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں بھی عنقریب ایک کلچرل شو کر رہا ہوں۔ میں میوزک کالج کا طالب علم بھی ہوں۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ ہمارے کلچرل شو میں حصہ لیں گی؟''

''جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔''

''بہت خوب! تو میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ آپ کا فون نمبر ـــــــــ؟''

عذرا نے شہباز کو فون نمبر بتا دیا۔ شہباز نے دو روز بعد فون کیا اور بڑی چکنی چپڑی باتوں کے بعد اسے کہا۔

''اگر آپ آج کی شام کمال مہربانی سے شیزان میں آ کر مجھ سے مل لیں تو میں کلچرل شو کے بارے میں آپ سے کچھ ضروری مشورے کر لوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کئی ایسی آرٹسٹ ہیں جو بڑی خوشی سے اس شو میں کام کرنا چاہتی ہیں' مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے ان میں فن کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اگر آپ تکلیف کر کے آج شام شیزان میں تشریف لے آئیں تو کم از کم مجھے آپ کے قیمتی مشورے مل سکیں گے اور میرے کلچرل شو کو چار چاند لگ سکیں گے۔''

عذرا نے کہا۔

''اگر آپ مجبور کر رہے ہیں تو میں آجاؤں گی۔ مگر دیکھئے میں زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔ بس پانچ منٹ کے لئے آؤں گی۔''

''بڑی بڑی مہربانی' بس پانچ منٹ میں بات ہو جائے گی۔''

شام کو عذرا شیزان میں آ گئی۔ شہباز باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سگریٹ ہاتھ میں لئے بہترین سوٹ میں ملبوس وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ عذرا کار میں سے اتری تو شہباز نے آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔

''میں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ناچیز کی خواہش کا احترام کیا اور یہاں تشریف لے آئیں۔''

عذرا نے اتنے لچھے دار باتیں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ وہ مسکرائی اور بولی۔

''جب میں نے وعدہ کر لیا تھا تو مجھے آنا ہی تھا۔ لیکن میں پانچ منٹ سے زیادہ بالکل نہیں ٹھہروں گی۔''

''میرے لئے یہ پانچ منٹ بڑے قیمتی ہوں گے۔''

شہباز، عذرا کو ساتھ لے کر شیزان کی گیلری میں آ گیا۔ عذرا نے چست قمیض کے اوپر ہلکے پیازی رنگ کا سویٹر پہن رکھا تھا۔ بال ٹیڈی گرلز ایسے بنے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر ریڈ انڈین کلر کی لپ اسٹک جمی تھی۔ کانوں میں گولڈن رنگ تھے' بھنویں نیل سے بنی ہوئی تھی۔ پلکوں پر برش کیا گیا تھا۔ ناخن لمبے ہو رہے تھے اور ان کا پالش چمک رہا تھا سینے کا ابھار باہر نکل رہا تھا۔ آنکھوں میں بے حیائی اور بے باکی تھی۔ شہباز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔

شہباز بھی بڑا کائیاں نوجوان تھا۔ وہ بھی ٹیڈی بوائے بنا ہوا تھا۔ اس کا کام ہی اس قسم کی ٹیڈی لڑکیوں سے گل کھلانا اور فلرٹ کرنا تھا۔ وہ ان لڑکیوں کو پھانسنے کے طریقے خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اس نے بڑی میٹھی زبان' بڑے نرم لہجے اور بڑے دھیمے انداز میں عذرا سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے اتنی لچھے دار باتیں کیں کہ عذرا وہاں آدھ گھنٹے تک بیٹھی رہی اور جب وہ اس کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکلی تو شہباز کی دوست بن چکی تھی۔ اور اسے ملاقات کا مزید وقت بھی دے چکی تھی۔

شہباز چونکہ امیر باپ کا بیٹا تھا اور اس کے پاس اپنی سپورٹس کار تھی۔ اس لئے اسے عذرا کو پھانسنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ تیسری چوتھی ملاقات کے بعد عذرا شہباز کی گاڑی میں گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔ شہباز ہر شام اسے لے کر شہر کے ہوٹلوں میں کافی پیتا' سینما دیکھتا' باغوں اور سڑکوں کی سیر کرتا اور اسے گھر چھوڑ آتا۔ وہ بھی اس کلب کا ممبر بن گیا جس کلب کی عذرا ممبر تھی۔ اب دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔ اس دوران میں شہباز نے کئی بار عذرا کا منہ چوما تھا۔ لیکن ابھی گوہر مراد اس کے ہاتھ نہ آیا تھا۔

اس نے اپنی مہم کو تیز تر کر دیا۔ ایک روز عذرا کو ساتھ لے کر شہر سے باہر ایک تاریخی مقام دکھلانے لے گیا۔ یہ جگہ شہر سے کوئی پندرہ میل دور ایک جنگل میں واقع تھی۔ اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور ایک بار بارش کے چھینٹے بھی پڑ چکے تھے۔ شہباز نے عذرا کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور شہر سے باہر آ گیا۔

وہ گاڑی کو بڑی تیز رفتاری سے چلا رہا تھا۔ شہر سے کوئی دس میل دور جانے کے بعد ایک دم بارش شروع ہو گئی۔ بارش تیز سے تیز ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ سڑک ٹوٹ گئی ہے اور کوئی بھی سواری آگے نہیں جا سکتی۔

اس نے عذرا کی طرف دیکھا۔

''اب کیا کیا جائے؟''

عذرا نے کہا۔

''واپس چلنا چاہیے۔''

شہباز نے عذرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

اتنی بارش میں واپس جانا ٹھیک نہیں' ایکسیڈنٹ کا خطرہ ہے۔ میرا خیال ہے کسی جگہ رک کر بارش کے رکنے کا انتظار کیا جائے۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔ مگر یہاں گاڑی کہاں کھڑی کریں؟''

شہباز نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے وہ جگہ ٹھیک رہے گی۔''

وہاں سے ذرا دور ہٹ کر درختوں کی ایک گھنا بنی ہوئی تھی۔ شہباز نے ان درختوں کے درمیان جا کر گاڑی کھڑی کر دی۔ گاڑی کے شیشے چڑھا دیئے۔ پہلوؤں کے پردے بھی چڑھا دیئے اور خود اندر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔ اب عذرا نے بھی سگریٹ پینے شروع کر دیئے تھے۔ یہ موسم سرما کا ایک بڑا ہی سرد دن تھا۔ سخت ٹھنڈی اور سرد ہوا چل رہی تھی اور بڑی تیز بارش ہو رہی تھی۔ عذرا کو کوٹ کے اندر ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ گاڑی کے اندر فضا تھوڑی تھوڑی گرم تھی۔ پھر بھی اندر ٹھنڈ تھی۔

شہباز نے تھرمس بوتل نکالی اسے کھولا اور برانڈی پیالے میں ڈال کر عذرا کو دی۔ عذرا ایک ہی گھونٹ میں پی گئی کچھ گھونٹ شہباز نے نگل لئے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد شہباز نے ایک سوچی سمجھی ہوئی تدبیر کے مطابق تھرمس میں سے پھر برانڈی نکال کر پیالے میں ڈالی اور عذرا کو پیش کی۔

''تھوڑی سی اور پی لو۔ سردی بالکل نہیں لگے گی۔''

عذرا نے کہا۔

''گرم بڑی ہوتی ہے۔''

شہباز نے مسکرا کر کہا۔

''باہر برف بھی تو پڑ رہی ہے۔''

عذرا مسکرائی اور دوسرا پیالہ بھی پی گئی۔ شہباز نے بھی تھوڑی سی مزید برانڈی چڑھا لی وہ پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں بارش بدستور ہوتی رہی۔ گاڑی کی چھت پر بارش کے موٹے موٹے قطروں کی موسیقی جاری تھی۔ بارش کا شور اس قدر تھا کہ انہیں ذرا اونچی آواز میں ایک دوسرے سے بات کرنی پڑتی تھی۔ عذرا پر اب نشے کی ہلکی سی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کا جسم گرم ہو گیا تھا اور کانوں میں سے سینک اٹھنے لگا تھا۔ شہباز کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔ عذرا کو زندگی بڑی جذبات انگیز اور پر مسرت اور لذت بھری محسوس ہونے لگی تھی۔

شہباز نے کسی نہ کسی طرح عذرا کو ایک اور پیالہ برانڈی کا پلا دیا۔ تیسرے پیگ کے بعد عذرا کو نشہ ہو گیا۔ اس کی گردن نشے میں جھومنے سی لگی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور وہ یونہی شہباز کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ شہباز سمجھ گیا کہ حملہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ بارش بدستور ہو رہی تھی اور وہ شہر سے گیارہ بارہ میل دور ایک غیر آباد سڑک کے کنارے گاڑی میں دبکے بیٹھے تھے جہاں دور دور تک اس سخت سردی اور بارش میں کسی متنفس کا گمان تک نہ تھا۔ سڑک پر سے کسی وقت بھی کوئی گاڑی نہیں گزر رہی تھی۔ شہباز نے عذرا کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اس پر جھک کر گرم گرم ہونٹوں کو چوسنا شروع کر دیا۔

عذرا ذرا تڑپی اور پھر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ اور اپنے آپ کو شہباز کے حوالے کر دیا۔ شہباز نے محسوس کیا کہ عذرا کا چست لباس اس کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ بن رہا ہے۔ اس نے عذرا کے کوٹ کے اندر دونوں ہاتھ ڈال لئے اور خود اپنا منہ اس کے سینے میں چھپا دیا۔

عذرا نشے اور لذت میں چور ہو کر بے سدھ ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

شہباز نے عذرا کے سارے جسم پر بوسے دیتے ہوئے کہا۔

''میری جان! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم لولو برجیڈ ہو' صوفیہ لورین ہو' تم گریٹ ہو' سویٹ گرل ہو' میری بی لوڈ ہو' او آئی لو یو آر گریٹ گرل' بیوٹی فل گرل ـــــــــ''

عذرا کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شہباز کے سینے کو اپنے ساتھ لگا رکھا تھا اور صرف اتنا کہہ رہی تھی۔

''او پلیز! او پلیز ـــــــــ''

مگر شہباز باز آنے والا نوجوان نہیں تھا۔ وہ تو عذرا کو لایا ہی اسی مقصد کے لئے تھا۔ اور شاید عذرا بھی یہی کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ چنانچہ جب ان دونوں کو ہوش آیا تو بارش ختم ہو چکی تھی۔

درختوں پر رکا ہوا پانی ٹپاٹپ گر رہا تھا۔

عذرا کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر پوچھا۔

"یہ کیا ہو گیا شہباز؟"

شہباز نے مسکرا کر کہا۔

"وہی جو ہر عورت کے ساتھ ایک نہ ایک روز ہوتا ہے۔"

عذرا نے شرما کر کہا۔

"اس کے بعد اگر کچھ ہو گیا تو کیا ہو گا؟"

شہباز نے عذرا کے رخسار چوم کر کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔"

شہباز نے گاڑی سٹارٹ کی اور دونوں سڑک پر شہر کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ شہباز اپنی کامیابی اور فتح مندی پر خوش تھا اور عذرا اپنے کئے پر کچھ کچھ نادم!

شہباز نے اب عذرا کے ساتھ اپنے اس مذموم فعل کو دہرانا شروع کر دیا۔ عذرا نے بھی اس میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ وہ دونوں ہفتے میں دو تین بار گاڑی میں بیٹھ کر شہر سے باہر نکل جاتے اور جب واپس آتے تو شہباز اپنی کامیابی پر خوش ہوتا اور عذرا کچھ کچھ نادم سی ہوا کرتی۔ یہ کھیل ایک ماہ تک کھیلا جاتا رہا۔

دوسرے مہینے عذرا نے محسوس کیا کہ اس کے اندر گناہ کے نتیجے نے جنم لیا ہے۔ یعنی وہ ماں بننے والی ہے۔ وہ کانپ گئی اور بھاگی بھاگی شہباز کے پاس آئی۔ شہباز نے بے نیازی سے اس کی داستان سنی اور کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے ابھی اس کا انتظام ہو جاتا ہے۔"

اس نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر کو فون کر کے اس سے ملاقات کا وقت لیا اور فون بند کر کے عذرا کا منہ چوم کر بولا۔

"کل تم اس گناہ کے بوجھ سے آزاد ہو جاؤ گی۔"

عذرا نے سہم کر پوچھا۔

''کہیں مجھے کچھ ہو تو نہیں جائے گا۔''

شہباز نے مسکرا کر کہا۔

''اب اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔''

دوسرے روز شہباز عذرا کو اپنے ساتھ اپنے ڈاکٹر دوست کے کلینک میں لے گیا۔ وہاں جا کر عذرا کا ایک ماہ کا حمل گرا دیا گیا۔ عذرا کو اس وقت تو کچھ محسوس نہ ہوا مگر اس کے بعد چھ روز تک اسے خون آتا رہا۔ وہ بڑی پریشان ہوگئی۔ شہباز نے اسے ایک خاص قسم کی گولیاں لا کر دیں۔ جن کے کھانے سے عذرا کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی۔

اس کے بعد عذرا شہباز سے ملتی تو رہی مگر اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر شہر سے باہر کبھی نہ گئی۔ لیکن ایک خاص وقت گزرنے کے بعد وہ پھر شہر کے باہر جانے لگے۔ اور انہوں نے پھر اسی پرانی ڈگر پر چلنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عذرا کو ایک بار پھر حمل ہوگیا۔ وہ پھر پریشان ہوگئی۔ شہباز نے اس دفعہ بھی اپنے ڈاکٹر دوست سے مل کر عذرا کا معاملہ صاف کروا دیا۔

اب کی دفعہ عذرا کو زیادہ تکلیف ہوئی اور خون بھی پہلے سے زیادہ آیا۔ وہ چھ دن گھر پر پڑی رہی۔ نیلم نے جب اس کی حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

اس نے پوچھا۔

''سچ سچ بتاؤ عذرا کیا بات ہے۔ تم میری بڑی اچھی بہن ہو مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔''

عذرا نے روتے ہوئے ساری بات نیلم کو سنا دی۔ نیلم نے سن کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اری اتنی سی بات پر رونے لگی ہو۔ پھر کیا ہوا پگلی جوانی میں اگر ایسی غلطیاں نہ ہوں تو پھر جوانی کا کیا فائدہ؟''

''نہیں نہیں باجی میں اب ایسا گناہ کبھی نہیں کروں گی۔ میں بڑی تکلیف میں سے گزر رہی ہوں۔''

نیلم زور سے ہنس پڑی۔

''فکر نہ کرو۔ آہستہ آہستہ یہ تکلیف بھی نہیں رہے گی۔''

مگر جب تیسری بار عذرا کو بچہ ہونے والا ہوا تو نیلم نے ایک خاص سکیم کے تحت اسے تین ماہ تک حمل گرانے نہ دیا۔ جب چوتھا مہینہ شروع ہوگیا تو ڈاکٹروں نے کیس اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ اب عذرا کی جان کو خطرہ تھا۔

عذرا کی جان پر آبنی۔ وہ پریشان ہو کر خودکشی کے بارے میں سوچنے لگی۔ شہباز اسے چھوڑ کر کراچی بھاگ گیا۔ اب وہ نیلم کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ کوٹھی کے ایک کمرے میں بیمار پڑ گئی۔ وحید اپنی چھوٹی بہن کی بیماری سے بے چین ہو گیا لیکن جب ایک ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ اس کی بہن کا بچہ پیدا ہونے والا ہے تو اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا مگر ہونے والی بات ہو گئی تھی۔

نیلم اس موقع کی تاک میں تھی۔

اس نے کہا۔ ''جو ہونا تھا وحید ہو گیا' اب ہونے والی بات کو دنیا کی کوئی بھی طاقت باز نہیں رکھ سکتی۔''

وحید نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''لیکن نیلم میری تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ کیا اس لعنت کو دور نہیں کیا جا سکتا؟ میں جتنا روپیہ خرچ ہو گا' خرچ کروں گا۔''

نیلم نے کہا۔

''لیکن اب عذرا کی زندگی کا خطرہ ہے اور پھر بدنامی کا بھی ڈر ہے۔ ویسے تمہیں فکر نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے سماج میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہماری اونچی سوسائٹی میں یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے ایک بھائی کو دریا میں کود کر خودکشی کرنی پڑے۔ عذرا کی فوراً کہیں نہ کہیں شادی کر دینی چاہیے۔ جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔''

وحید نے آہ بھر کر کہا۔

''مگر عذرا کے ساتھ کون شادی کرے گا؟ اور اگر اسے بعد میں پتہ چل گیا تو کیا وہ عذرا کو طلاق نہیں دے دے گا؟''

نیلم بولی۔

''گھبراؤ نہیں میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے۔''

''کیا بندوبست کر لیا ہے تم نے؟ جلدی بتاؤ نیلم!''

''میں نے نجم کو اس شادی پر آمادہ کر لیا ہے۔''

وحید نے سر کے بال نوچ لئے۔

''نجم کے ساتھ؟''

''ہاں وحید' اس وقت صرف وہی ایک ایسا دوست ہے جو ہمارے کام آ سکتا ہے۔ یہ ایسی مصیبت ہے کہ ہمارا اچھے سے اچھا دوست بھی ہمیں جواب دے دے گا اور ہمیں کسی سے ہمدردی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ لیکن نجم نے تمہاری انسانیت نوازی سے متاثر ہو کر عذرا سے شادی کر لینے پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں ایسی باتیں لڑکیوں کی کم عقلی کی وجہ سے ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ پھر کیا ہوا میں شادی پر تیار ہوں۔''

وحید نے سر پیٹ لیا۔

''آہ ہمارے ساتھ یہ بھی ہونا تھا۔ اگر آج ماں جی زندہ ہوتیں تو انہیں کس قدر صدمہ ہوتا۔ اچھا ہوا کہ یہ سانحہ ان کی موت کے بعد ہوا ہے۔ اب عذرا کو کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ میری ہی ضرورت سے زیادہ دی ہوئی آزادی کا نتیجہ ہے۔ اگر میں اسے اپنے کنٹرول میں رکھتا تو یہ بات کبھی نہ ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب پانی سر سے گزر گیا ہے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ہمارے خاندان کی عزت کا جنازہ ایک روز اس بے کسی کے عالم میں عین چوک میں اٹھے گا۔ اور اسے کوئی کندھا دینے والا بھی نہ ہوگا۔ خدا کے لئے عذرا کو یہاں سے لے جاؤ۔ میں اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا۔ میں اسے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔''

وحید نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ نوچ دیا۔ نیلم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اب دیوانہ بننے سے کیا ہوگا۔ وحید ہمیں ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔ ورنہ لوگوں پر ہماری پریشانی ظاہر ہو جائے گی اور لوگ اس گھر کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ خدا کے لئے ٹھنڈے دل سے کام لو اور عذرا کی شادی اس طرح کرو کہ کسی کو شک ہی نہ ہو کہ تم اسے مجبوری کی حالت میں گھر سے نکال رہے ہو۔''

وحید نے آنکھیں بند کر لیں۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو نیلم! میں پوری ہوشمندی سے کام لوں گا۔ لیکن تم جتنی جلدی ہو سکے شادی کا انتظام شروع کر دو۔ نجم سے کہو کہ دو دن کے اندر اندر برات لے کر آ جائے۔ میں اس لڑکی کو جلد سے جلد بیاہ دینا چاہتا ہوں۔''

نیلم نے کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ وہ اس فرض سے پوری خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی۔ نیلم کا ایک اور تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا اس کی ایک بہت بڑی سکیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے اس سے بات نہ کی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ وہ نجم کو منا لے گی۔

نیلم نے اسی روز نجم سے مل کر اس پر اپنی اسکیم کھول دی۔ نجم نے نیلم کی باتوں کو غور سے سنا۔ لیکن اسے نیلم کی منطق قائل نہ کر سکی۔ اس نے سرد مہری سے انکار کر دیا۔

''یہ شادی نہیں کر سکتا نیلم۔ میں ایسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کی مانگ سہاگ کے سیندور کی بجائے حرام کاری کی راکھ سے بھری گئی ہو۔''

نیلم نے غصے میں آ کر کہا۔

''یہ راکھ حرام کاری کی نہیں بلکہ ہمارے اخلاق کی چتا کی ہے اور ہم نے مل کر اسے عذرا کی مانگ میں بھرا ہے۔ ہمیں اپنے گندے بچوں کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔''

لیکن نجم نے پھر بھی انکار کر دیا۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا نیلم! میں اگر شادی کروں گا تو صرف تم سے۔ کیونکہ ہمارا تمہارا قدرتی سمبندھ ہے۔ میں نے اگر کسی کو بیوی بنایا تو صرف تمہیں بناؤں گا۔ کیونکہ اس طرح جھوٹ مکاری ایک ہی بستر پر آرام کریں گے۔ جب ہم دونوں مل جائیں گے تو کامیابی ہر ہر قدم پر مسرتوں کو جنم دے گی۔''

نیلم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''تم میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر رہے ہو نجم! تم بالکل احمقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ تم عذرا سے شادی کر لو تو ایک طرح سے وحید تمہارے پنجے میں بھی پھنس جائے گا۔ پھر میں بھی تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ پھر وحید ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ذرا سوچو ہمارا مقصد اس کی ساری جائیداد اور دولت پر قبضہ جمانا ہے اور اس کے لئے ہمیں ہر ہتھیار کو استعمال کرنا چاہیے۔''

مگر نجم نے انکار کر دیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

''میں کتنا بھی ذلیل کیوں نہ ہو جاؤں۔ میں اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بیوی بناؤں جو اپنی عصمت لٹا چکی ہے۔ اور ایک ایسے بچے کی پرورش کرتا پھروں جو میرا نہیں ہے بلکہ گناہ اور حرام کاری کے ایک مذموم لمحے کی پیداوار ہے۔''

نیلم نے کہا۔

''پھر تم مجھ سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟''

نجم نے اس کے قریب آ کر اس کا بازو تھام کر کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم وحید کی دولت حاصل کرو اور جلدی حاصل کرو اور پھر مجھ سے شادی کرلو اور ہم دونوں اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں گے اور باقی عمر ہنسی خوشی بسر کردیں۔"

نیلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا خیال خام ہے۔"

"یعنی تم وحید کی دولت کو اپنے قبضے میں نہیں کرو گی؟"

"ضرور کروں گی مگر تم سے شادی کبھی نہیں کروں گی تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گی۔ تمہارا اس دولت میں ذرا بھی حصہ نہیں ہو گا۔"

نجم نے طنزاً مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں رکھ سکتیں۔ تمہاری سب کمزوریاں میرے پاس موجود ہیں۔ میرے ذرا سے زبان ہلا دینے سے تمہارا محل دھڑام سے زمین پر آن گرے گا اور تم ایک پل کے اندر اندر وحید کے بنگلے سے لاتیں مار مار کر باہر نکال دی جاؤ گی۔"

نیلم نے سر جھٹک کر کہا۔

"وحید تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ تمہارے خلاف ہے اور پھر تمہارے پاس میری سازشوں کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

نجم نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھوس ثبوت چاہتی ہو؟"

اس نے اٹھ کر میز پر رکھے ہوئے گلدان کے پھول ایک طرف ہٹائے اور اسے ایک چھوٹا سا مائیکروفون دکھایا۔

"یہ ہے وہ مائیکروفون جس میں میں نے تمہارا اس کمرے میں بولا ہوا ایک ایک جملہ ریکارڈ کرلیا ہے۔ اور اس الماری میں ٹیپ ریکارڈر پڑا ہے۔ وحید کو صرف ایک ریکارڈ سنانے کی ضرورت ہوگی اور تم دوسرے لمحے سڑک پر کھڑی خاک اڑا رہی ہو گی اور تمہارے پاس ایک پائی بھی نہیں ہوگی۔ سوچو تم کہاں جاؤ گی۔ ماں تمہاری مر چکی ہے۔ کوٹھی تم نے فروخت کردی ہے۔ وحید نے تمہیں گھر سے نکال دیا تو تمہارے لئے اس دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ میری بات کو مان لو اور وحید کی دولت سمیٹ کے میرے پاس آجاؤ اور مجھ سے شادی کرلو۔

نجم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔نیلم کی تو روح فنا ہو گئی۔تو گویا اس شخص نے ہر قسم کا انتظام کر رکھا تھا۔نیلم کو ہر طرح سے اپنے پنجے میں جکڑ رکھا تھا۔اب تو وہ اس کے پھندے سے نکل کر کہیں بھی نہیں جا سکتی۔وہ جب چاہے اور جس وقت چاہے اسے وحید کی نظروں سے گرا سکتا تھا اور پولیس کے حوالے بھی کر سکتا تھا۔

ایک طرف اسے نجم کی مکاریوں کا ڈر تھا اور دوسری طرف یہ غم تھا کہ کہیں وحید اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور اس کی ساری محنت پر پانی نہ پھر جائے۔

اس نے نجم سے کہا۔

''اگر یہ بات ہے نجم تو میں تمہارے ہاتھوں مجبور ہوں۔اگر چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتی۔اب تم جس طرح کہو گے میں اسی طرح کروں گی۔''

نجم نے اٹھ کر نیلم کو سینے سے لگا لیا اور بولا۔

''اب تم راہ راست پر آ گئی ہو۔مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے معاملے کی نزاکت کو پوری طرح محسوس کر لیا ہے اور پھر میں تمہارا کوئی دشمن نہیں ہوں۔میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں نیلم! میں بھی تمہیں چاہتا ہوں۔''

نجم نے نیلم کے ہونٹوں کو چوم لیا۔نیلم نے تھوڑے سے ہونٹ سکیڑ لئے۔اس نے آنکھیں کھول کر نجم کی پیشانی کو دیکھا۔اس کے بالوں میں سفید بال نمودار ہو رہے تھے۔نیلم کو اس کمینے شخص کی مکاریوں پر اس قدر غصہ آیا کہ اس کا جی چاہا اس کے منہ پر تھوک دے۔مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ایسا کرنے سے بنا بنایا کھیل بگڑ جانے کا اندیشہ تھا اور یہ بھی کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت میں نجم ایسے ذلیل شخص کو شامل کرے۔وہ کسی بھکاری کو اپنا ہمراز بنا لے گی مگر نجم کو کبھی منہ نہیں لگائے گی۔جب نجم چلا گیا تو نیلم نے چھری اٹھا کر سیب میں گھونپ دی۔

''اب میرا اور نجم کا فیصلہ ایسے ہی ہو گا۔''

نیلم نے اسی پل نجم کو راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا اب اس کے سامنے کوئی حریف نہیں تھا۔اسے اپنا مستقبل بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

اس رات نیلم کو نیند نہ آئی۔وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں ٹہلنے لگی۔اس نے کھڑکی کھول دی۔موسم بہار کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی مگر نیلم کو وہ سب کچھ بے معنی معلوم ہوا۔ستارے چشمک زنی کر رہے تھے۔لیکن نیلم پر ان کی چشمک

زنی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر اس کے ضمیر کی آواز اسے کہہ رہی ہے۔

''نیلم! تم جس راستے پر چلی جا رہی ہو۔ یہ راستہ تباہی اور بربادی کا ہے۔ یہ رستہ اسے آخر کار اندھیری گھاٹیوں میں لے جائے گا۔ جہاں سے اس کی روح کو بھی نجات نہ مل سکے گی۔''

نیلم نے جواب دیا۔

''تم میرے معاملات میں دخل دینے والے کون ہو؟''

''تمہارا ضمیر''

''میں تمہیں نہیں جانتی۔''

''میں اب تک دبا رہا۔ میں تمہارے لچھن دیکھتا رہا۔ میں نے ایک دو بار پہلے بھی تمہیں آواز دی مگر تم نے نہ سنی۔ اب تم اپنی بربادیوں پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہو۔ اس لئے میں تمہیں متنبہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

''مجھے ایسی باتوں کی پروا نہیں ہے۔''

مگر میں تمہارا ضمیر ہوں' تم مجھے اس طرح سے کچل نہیں سکتیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''میں سب کچھ جانتا ہوں نیلم! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم صرف وحید کی دولت کو سمیٹنے کی فکر میں نہیں ہو بلکہ تم نجم کا خون بھی کرنا چاہتی ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک طوائف کی بیٹی ہو اور تم اپنے خون کا حق ادا کر رہی ہو۔''

نیلم نے چونک کر کھڑکی میں سے باہر دیکھا اور غصے سے کہا۔

''اچھا ہے' ٹھیک ہے' میں طوائف کی بیٹی ہوں' ساتویں منزل سے گری ہوئی لاش ہوں' قبر پر اگا ہوا پھول ہوں' زخم کھائی ہوئی زہریلی ناگن ہوں' میرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں' میں نے وحید کو ڈسا ہے' عذرا کو ڈسا ہے اور اب نجم کو ڈس رہی ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کچل کر رکھ دوں گی۔ میں تمہیں کچل کر رکھ دوں گی۔ میں تمہیں ہلاک کر کے تمہارے ٹکڑے اڑا دوں گی۔۔۔۔۔۔۔''

نیلم کو ایک فلک شگاف قہقہے کی آواز سنائی دی۔ اس نے زور سے کھڑکی بند کر دی اور اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ رات اس نے بڑی بے چینی اور بے قراری سے بسر کی۔ صبح اٹھی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور سر میں درد ہو رہا تھا۔

دراصل اب اسے یہ فکر کھائے جا رہا تھا کہ وحید سے جا کر عذرا کی شادی کے بارے میں کیا جواب دے گی۔ نجم نے تو انکار کر دیا

وہ تو ظاہر ہے کہ اب عذرا سے کبھی شادی نہیں کرے گا اور نہ وہ چاہتی تھی کہ وہ ایسا کرے کیونکہ وہ تو اسے اپنے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹانے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اب وحید کو کیا جواب دے اور عذرا کی شادی کا کیا بندوبست کرے۔ عذرا کی شادی نجم سے نہیں ہوسکتی تھی کہ اسے عذرا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر سوال صرف یہ تھا کہ وحید کو وہ جا کر نجم کے بارے میں کیا کہے وہ زندگی میں پہلی بار ایک عجیب طرح پریشان ہوگئی تھی۔ وہ رات اس نے وحید سے دور ایک ہوٹل میں بسر کی تھی اور وحید سے یہ کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں جا رہی ہے۔ صبح اٹھ کر اس نے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے۔ بالوں کو آراستہ کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر وحید کے ہاں آگئی۔ یہاں آ کر وہ وحید کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وحید پریشانی سے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ نیلم اندر داخل ہوئی تو وحید نے بھاگ کر دروازہ بند کر دیا۔ نیلم حیران سی ہوگئی۔

وحید نے نیلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"غضب ہوگیا نیلم!"

نیلم کانپ اٹھی۔

"کیا ہوا وحید؟"

اسے ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ وحید کہیں سٹے میں اپنی ساری دولت نہ ہار بیٹھے۔ کیونکہ پچھلے کچھ ماہ سے اس نے سٹے کا کام شروع کر رکھا تھا۔ اور وہ لاکھوں روپے کا سٹہ کھیلا کرتا تھا۔ وحید نے اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑا کر کہا!

"اسے خود پڑھ لو۔"

نیلم نے کاغذ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ یہ عذرا کا خط تھا۔ اس نے لکھا تھا!

"پیارے بھائی!

میں جانتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کے خاندان پر بدنامی کا داغ آنے والا ہے۔ میں آپ کے لئے اور اپنے خاندان کے لئے منحوس ثابت ہوئی ہوں مگر میں آپ کو بدنام نہیں ہونے دوں گی۔ آپ اتنے اچھے ہیں کہ میں آپ کو یہ سزا نہیں دے سکتی۔ یہ میرے گناہ کی سزا ہے اور یہ صرف مجھے ہی ملنی چاہیے اور کسی کو نہیں اور آپ کو تو میں ذرا بھی دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ میں جا رہی ہوں۔ کہاں' یہ میں خود بھی نہیں جانتی۔ بہر حال میں آپ کو اس شہر میں' اس ملک میں اب کبھی نظر نہیں آؤں گی۔ آپ لوگوں کو کہہ دیجئے گا کہ عذرا کو ولایت

کے ایک سکول میں یا ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا ہے ہمیشہ کے لئے۔۔۔۔۔۔۔خدا حافظ!
اب میں آپ سے کبھی نہ مل سکوں گی۔۔۔۔۔۔۔"

فقط...........عذرا

نیلم نے خط پڑھا تو اسے کوئی بھی صدمہ نہیں ہوا۔ اگر افسوس ہوا تو صرف اتنا کہ نجم کی حماقت کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے سونے کی چڑیا نکل گئی اور اب وہ دونوں ہاتھوں سے وحید کو لوٹ نہیں سکتی تھی۔ مگر بظاہر اس نے چھوٹا سا منہ بنا کر اداس لہجے میں کہا۔

"یہ تو بڑا ظلم ہو گیا' اب کیا ہو گا؟"

وحید نے سر پکڑ لیا اور پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہو گا۔"

نیلم یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ایک دم بے حد پریشان ہو گئی ہے کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹنے لگی۔ اس نے جھوٹ موٹ خط کو ایک بار پھر پڑھا اور پھر پریشان سی ہو کر بولی۔

"اب پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہو گا وحید! ہمیں اب عقل مندی سے کام لینا پڑے گا۔"

نیلم اس اعتبار سے بھی بہت خوش ہو گئی تھی کہ اس کے سر سے بلا ٹل گئی اور وہ نجم کے سلسلے میں اب وحید کی کسی بات کے لئے جواب دہ نہیں تھی۔ گویا قدرت نے خود بخود ہی اس کے راستے سے کانٹے ہٹا دیئے تھے۔ ورنہ وہ اس سے پہلے اسے بتا چکی تھی کہ نجم شادی پر راضی ہو چکا ہے۔ نیلم نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس بات پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ عذرا یونہی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اگر نجم کی جگہ کوئی اور لڑکا ہوتا تو وہ اس وقت وحید کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بڑی آسانی سے اس سے بیس تیس ہزار کی رقم ہتھیا سکتا تھا۔

وحید نے کہا۔

"تم ہی کچھ بتاؤ نیلم! میری عقل تو ماؤف ہو گئی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں سوائے اس کے کہ دریا میں جا کر چھلانگ لگا دوں۔"

نیلم نے وحید کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے وحید! اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب تو ہمیں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ تم یہ بات مشہور کر دو کہ تم نے عذرا کو علاج کے لئے ولایت بھجوا دیا ہے۔ یہ بات میں بھی فون پر لوگوں کو بتا دوں گی۔ شہر کے معزز خاندانوں میں کل تک یہ بات

پھیل جائے گی اور تم بدنامی سے بچ جاؤ گے۔''

وحید نے سگریٹ مسل کر کہا۔

''لیکن اگر کسی کو معلوم ہو گیا کہ اصل بات کیا ہے؟ تو کیا ہوگا؟''

نیلم نے کہا۔

''ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ عذرا یہاں موجود نہیں۔ پھر کسی کو اصل واقعے کا کیسے علم ہوگا؟''

وحید نے پریشان ہو کر کہا۔

''اور اگر عذرا کو اسی ملک کے کسی شہر میں کسی نے دیکھ لیا تو پھر؟ خدا جانے وہ کس حالت میں ہو؟ کس عالم میں ہو؟ ظاہر ہے اس کے پاس دس پندرہ ہزار روپے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور جب یہ روپے ختم ہو گئے تو یقیناً پریشان ہو گی اور روپے پیدا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ جتن کرے گی۔ یا اللہ، یہ مجھے کیا روز سیاہ دیکھنا پڑا۔

نیلم نے اسے تسلی دے کر کہا۔

''تم گھبراؤ نہیں اب گھبرانے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ویسے ہم اندر ہی اندر کوشش کریں گے کہ عذرا ہمیں کہیں مل جائے اور ہم اسے گھر لے آئیں۔''

''اسے کہاں تلاش کریں۔ اتنے بڑے ملک میں اتنی دبلی سی لڑکی تلاش کرتے پھریں گے۔ اسے صرف ایک ہی گھر کی معمولی سی چار دیواری ہماری نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل کرنے کو کافی ہے۔''

نیلم نے کہا۔

''اب اس کے سوا اور چارہ بھی تو کوئی نہیں وحید! خدا کے لئے تم اپنے آپ کو سنبھالو ورنہ لوگوں کو فوراً ایک ایک بات کا علم ہو جائے گا۔''

وحید پلنگ پر سے اٹھا اور صوفے پر جا کر آہ بھر کر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا اور اس کی آنکھوں میں اپنے گھر کی تباہی بربادی کے خیال سے آنسو آ گئے۔

بہر حال وحید کو لوگوں میں یہی مشہور کرنا پڑا کہ اس نے عذرا کو علاج کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز یورپ روانہ کر دیا ہے۔ مگر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں اور لوگ اس بات کی حقیقت اور سچائی پر شک کرتے رہے۔ لیکن امیر آدمی کی برائی بھی دولت میں چھپ

جاتی ہے اور غریب کی اچھائی کو بھی لوگ شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ادھر عذرا جب پندرہ ہزار کے نوٹوں سے بھرا ہوا اٹیچی کیس لے کر صبح صبح گھر سے نکلی اور سیدھی اسٹیشن پر آئی تو وہاں کراچی کو جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ اس نے کراچی کا ایک ٹکٹ لیا اور اس میں سوار ہوگئی۔ سارا راستہ وہ اپنے بھائی کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتی رہی اور اس کی آنکھوں میں کئی بار آنسو آگئے۔ ملتان کے سٹیشن پر جب گاڑی پہنچی تو عذرا نے کھانے والے کو آواز دی۔ وہ انٹر کلاس کے زنانہ ڈبے میں سوار ہوئی تھی کیونکہ اسے لاہور سٹیشن سے سیکنڈ کلاس کی ٹکٹ نہ مل سکی تھی۔ کھانے والے کے ساتھ ایک خوش پوش نوجوان پلیٹ فارم پر کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے عذرا کو غور سے دیکھا اور سگریٹ پیتا رہا۔ کھانے والا اسے کھانا دے کر چلا گیا تو وہ جوان دو ایک بار عذرا کے ڈبے کے سامنے سے گزرا۔ ہر بار وہ عذرا کو غور سے دیکھتا۔ ایک بار وہ ذرا سا مسکرا بھی دیا۔ گاڑی ملتان سے روانہ ہوگئی۔

حیدرآباد کے سٹیشن پر وہ نوجوان پھر عذرا کے ڈبے کے پاس آیا اور آگے جھک کر بولا۔

''محترمہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

عذرا چونکہ بڑی ماڈرن قسم کی لڑکی تھی اور اس نے اس سے بہتر اور زیادہ پڑھے لکھے اور زیادہ حسین لوگ دیکھے تھے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کی تھیں۔ اسے اس کمزور سے مریل اور بدصورت نوجوان سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ جس کے کوٹ کا کالر میل میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے بڑی نفرت سے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

نوجوان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور وہاں سے چل دیا۔

گاڑی کراچی پہنچی تو عذرا اپنا اٹیچی کیس لے کر ڈبے سے باہر نکل آئی۔ اس نے نوٹوں سے بھرا اٹیچی کیس اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اس کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ پلیٹ فارم سے باہر نکل کر سڑک پر آگئی۔ یہاں وہ ایک طرف ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی اور سوچنے لگی کہ کہاں جائے۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے پیچھے سے آکر پوچھا۔

''کیا میں آپ کے کسی کام آسکتا ہوں؟''

عذرا نے پیچھے مڑ کر دیکھا' وہی بدصورت اور میلے کپڑوں والا نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے بالوں پر راستی کی گرد جمی ہوئی تھی۔ عذرا

نے نفرت سے منہ موڑ لیا۔

نوجوان نے پھر کہا۔

''کیا آپ اس شہر میں اکیلی ہیں؟ دیکھئے یہ شہر بڑا شہر ہے یہاں آدمی اگر اکیلا ہو تو راستہ بھول جاتا ہے اور آپ تو پھر ایک نوجوان خاتون ہیں۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے گا۔ میں نے لاہور اسٹیشن پر ہی آپ کو اکیلے ٹکٹ خرید کر گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا تھا۔''

عذرا نے کہا۔

''پھر آپ کو اس سے کیا؟''

نوجوان نے بڑی نرمی سے کہا۔

''مجھے کچھ نہیں محترمہ! میں تو صرف آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ آپ کی شکل میری بیوی سے ملتی ہے۔ بہت ملتی ہے۔''

عذرا نے نفرت سے کہا۔

''پھر میں کیا کروں۔ آپ اپنی بیوی کے پاس جایئے۔''

''وہ اس دنیا میں نہیں رہی محترمہ! وہ مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ گئی ہے۔ میرے پاس اس کی نشانی صرف ایک بچہ ہی ہے۔ جو میرے پاس ہے۔ وہ میری زندگی کا سہارا ہے۔ میں اسے سیالکوٹ چھوڑ کر آیا ہوں' میں کھیل کا سامان بنانے والے کارخانے میں کام کرتا ہوں۔ یہاں کچھ چیزیں لینے آیا ہوں۔''

عذرا خاموش ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا نوجوان ہے۔ کبھی وہ اسے اچھا لگتا اور کبھی بہت برا۔ مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔ وہ اپنے سارے روپے پاس رکھ کر کسی ایک مرد پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اور پھر اس کے پیٹ میں چار ماہ کا بچہ تھا۔ اس نے نوجوان سے کہا۔

''معاف کیجئے۔ مجھے گھر جانا ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھی اور روانہ ہو گئی۔ وہ نوجوان وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہ بھری اور سٹیشن سے باہر نکل

آیا۔ٹیکسی والے نے عذرا سے پوچھا۔

''کہاں چلئے گا۔بیگم صاحب؟''

عذرا نے سوچا۔وہ کہاں جائے؟ پھر اس نے کہا۔

''ایکسلیسئر ہوٹل''

اس ہوٹل میں وہ ایک بار اپنے بھائی وحید کے ساتھ آئی تھی۔ہوٹل کے باہر ٹیکسی کھڑی ہوگئی۔عذرا نے کاؤنٹر پر اپنا نام نیلوفر بانو لکھا اور اپنے کمرے میں آگئی۔اٹیچی کیس اس نے پلنگ کے نیچے رکھ دیا۔اور خود غسل خانے میں چلی گئی۔شام کو اس نے بازار میں جا کر اپنے لئے کپڑے خریدے'ایک بڑا اٹیچی کیس'پرس'سنگار کا سامان اور چادریں خریدیں اور ہوٹل کے کمرے میں آکر کھانا کھایا۔دروازہ اندر سے بند کیا اور پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی کہ اس نے کیا کیا ہے اور اب وہ کیا کر رہی ہے۔

اتنے بڑے شہر میں بلکہ اتنی بڑی دنیا میں وہ بالکل تنہا تھی۔اکیلی تھی اور اس کا کوئی نہیں تھا۔اسے کہیں جلدی سے کچھ نہ کچھ کر لینا چاہیے۔وگرنہ وقت زیادہ گزر گیا تو وہ کچھ نہ کر سکے گی۔رات بھر وہ جاگتی رہی۔اس نے فون ڈائریکٹری میں سے شہر کی لیڈی ڈاکٹروں کے فون نمبر اور پتے نوٹ کئے۔

صبح اٹھ کر اس نے تمام لیڈی ڈاکٹروں کو فون کئے۔سب سے ٹائم مقرر کیا اور ان سے ملاقات کرنے ہوٹل سے روانہ ہوگئی عذرا نے تقریباً سب لیڈی ڈاکٹروں سے بات کی۔مگر کوئی بھی اس کا حمل گرانے کو تیار نہ ہوئی۔سب نے یہی کہا کہ وقت زیادہ ہوگیا ہے۔اب ایسا کرنے سے اس کی زندگی کو خطرہ تھا۔عذرا نے زیادہ سے زیادہ روپیہ دینے کی پیشکش کی۔مگر کسی نے بھی حامی نہ بھری۔عذرا پریشان اور ناامید ہو کر کراچی کی سڑکوں پر نکل آئی۔اس نے ٹیکسی لی اور کلفٹن میں ایک جگہ بنچ پر بیٹھ گئی۔اتنے میں ایک خوش پوش عورت اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔باتوں ہی باتوں میں اس نے عذرا سے دوستی پیدا کر لی اور اپنے آپ کو ایک لیڈی ڈاکٹر ظاہر کیا۔عذرا بہت خوش ہوئی۔اس نے عورت کو اعتماد میں لے کر اپنا سارا دکھڑا بیان کر دیا۔اس عورت نے عذرا کو تسلی دی اور کہا۔

''تم میرے ساتھ میری کوٹھی چلو۔میں کوشش کروں گی کہ تمہیں اس مصیبت سے نجات مل جائے۔''

عذرا کی جان میں جان آگئی۔اس عورت نے عذرا کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اسے لے کر اپنی کوٹھی پر آگئی۔یہ کوٹھی شہر سے باہر واقع تھی اور بڑی پراسرار اور ویران دکھائی دے رہی تھی۔لان میں خاک اڑ رہی تھی۔کہیں ایک بھی پودا نہ تھا۔عذرا نے ایک جھرجھری سی لی۔مگر عورت اسے مسکرا کر ساتھ اندر لے گئی۔

کوٹھی کا اندرونی حصہ بھی باہر کی طرح ویران اور پر اسرار تھا۔

جس کمرے میں عذرا کو بٹھایا گیا وہاں ایک لمبا سا نسواری رنگ کا پرانا صوفہ پڑا تھا۔ایک میز تھی اور دیواروں پر نیم عریاں تصویریں لگی تھیں۔اس کمرے میں کوئی بھی ایسی بات نہیں تھی جو یہ ظاہر کرتی کہ یہاں ایک لیڈی ڈاکٹر رہتی ہے۔وہ عورت دوسرے کمرے سے نمودار ہوئی اور عذرا کو لے کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔دوسرا کمرہ پہلے کمرے سے چھوٹا تھا۔یہاں صرف ایک روشندان تھا۔جو چھت کے قریب تھا۔فضا میں گھٹن ہو رہی تھی۔ایک پرانا سا پلنگ بچھا تھا۔اس عورت نے عذرا کو کہا کہ وہ پلنگ پر لیٹ جائے۔عذرا کو یوں لگا جیسے وہ کسی آسیب زدہ مکان میں آ گئی ہے۔وہ ڈرنے لگی تھی۔اس نے چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے مگر جیسے کسی نے اس کی ساری قوتیں سلب کر لی تھیں۔وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔اس کے علاوہ اس عورت نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

کوئی دس منٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ایک بھاری بھر کم ریچھ نما آدمی اندر داخل ہوا عذرا ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ۔۔۔۔۔۔۔آپ کون ہیں؟''

ریچھ نما آدمی نے مسکرا کر کہا۔

''لیٹی رہو میری جان میں بھی ڈاکٹر ہوں۔''

عذرا نے چیخنا چاہا مگر اس کی آواز جواب دے گئی۔اس نے دروازے کی طرف بھاگنا چاہا مگر اس کی ٹانگوں نے چلنے سے انکار کر دیا۔اس ریچھ نما آدمی نے عذرا کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور سینے سے لگا کر دھڑا دھڑا منہ چومنا شروع کر دیا۔اب عذرا کو ہوش آیا۔اس نے چیخ ماری اور اس آدمی کو پیٹنا شروع کر دیا۔وہ آدمی مسکراتا رہا۔

''جتنا چاہو چیخو۔یہاں تمہاری آواز سوائے میرے اور کوئی نہیں سن سکتا۔''

عذرا کی آواز جواب دے گئی۔اس کا حلق خشک ہو گیا۔اس ریچھ نما آدمی نے عذرا کو پلنگ پر لٹا دیا اور اس پر جھک کر بولا۔

''میری جان اب تمہیں ہمارے پاس رہنا ہوگا اور جو ہم کہیں گے تمہیں وہی کرنا ہوگا۔''

عذرا نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

''میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔''

اس آدمی نے ایک ایسا تھپڑ عذرا کو رسید کیا کہ عذرا کا گال سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ریچھ نما آدمی نے کیسے

بعد دیگرے کئی اور تھپڑ عذرا کو مارے۔ عذرا کا سر چکرا گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''خدا کے لئے مجھے مارو نہیں۔ تم جو کہو گے میں وہی کروں گی۔''

اس نے ایک اور تھپڑ مار کر کہا۔

''حرامزادی! اگر پھر ایسی بات کی تو چاقو سے تمہیں ہلاک کر کے سمندر میں بہا دوں گا۔''

پھر اس نے آواز دی۔ دروازہ کھلا اور ایک ہٹا کٹا آدمی اندر آ گیا۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پلنگ کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔ میز پر شراب کی بوتل نکال کر رکھ لی اور عذرا سے کہا!

''اس میں شراب ڈال کر ہمیں پلاؤ۔''

عذرا نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا ہی تھا کہ اس دوسرے آدمی نے بڑے زور سے اس کے گال پر پلٹر لگا دیا۔ عذرا بوکھلا گئی۔

''حرامزادی! دوسروں سے حرامکاری کرواتی ہے اور ہمارے لئے شراب بھی گلاس میں نہیں ڈال سکتی؟''

عذرا چپکے سے اٹھی۔ جیسے کسی نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ اس نے بوتل میں سے شراب گلاس میں انڈیلی۔ دونوں نے شراب پینی شروع کر دی۔ جب دو تین گلاس پی چکے تو ریچھ نما آدمی نے اٹھ کر عذرا سے کہا!

''تم بھی پیو۔''

عذرا نے انکار کیا تو اسے پھر مار پڑنے لگی۔ مجبوراً عذرا نے بھی شراب پی۔ یہ شراب بڑی تلخ تھی۔ عذرا نے آج تک صرف برانڈی ہی پی تھی۔ مگر یہ شراب تو زہر کی طرح کڑوی اور تیزاب کی طرح تیز تھی۔ اس نے عذرا کے حلق سے اترتے ہی اس کے اندر آگ لگا دی۔ دوسرے گلاس پر وہ بے سدھ ہو کر پلنگ پر گر پڑی۔ اسے گرتا دیکھ کر دونوں ریچھ نما درندے اٹھے۔ انہوں نے عذرا کے سارے کپڑے اتار دیئے۔ عذرا کے ابھرے ہوئے پیٹ کو وہ غور سے دیکھنے لگے۔ اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے رہے۔ عذرا بے سدھ پڑی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے عذرا کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ عذرا کو جب ہوش آیا تو وہ پلنگ پر عریاں پڑی تھی اور اس کا سارا بدن دکھ رہا تھا۔

اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور بے اختیار رونے لگی۔

عذرا کو اس کمرے میں رہتے ہوئے تیسرا روز تھا۔ اس کے کپڑے ہوٹل میں تھے۔ اور روپے اس نے ہوٹل منیجر کے پاس جمع کر وا رکھے تھے۔ ان لوگوں نے بہتیرا اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور کہاں ٹھہری ہوئی ہے؟ مگر عذرا نے انہیں

سوائے اس کے کچھ نہ بتایا کہ دکھ کی ماری ہے۔ گھر سے اکیلی بھاگ نکلی ہے اور اس کے پاس سوائے ان کپڑوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ اسے سارا دن اسی ایک مختصر سے کمرے میں رکھا جاتا۔ وہیں اسے کھانا دیا جاتا۔ اس کمرے کے ساتھ ہی غسل خانہ تھا۔ جس کی کھڑکی باہر سے بند کر دی گئی تھی۔

عذرا یہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ اس قید سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اس دوران میں اس نے اس عورت کی پھر شکل نہ دیکھی تھی۔ صرف وہی دو رریچھ نما بدمعاش اس کی خبر گیری کرتے اور اسے بار بار اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔ عذرا نے صرف اتنا کیا تھا کہ وہیں سے کاغذ پنسل لے کر اس پر ایک رقعہ لکھ دیا تھا۔ یہ خط اس کے بھائی کے نام تھا۔

ایک روز ایک بھنگن صبح صبح کمرے کی صفائی کرنے آئی تو اس نے بڑی منت کر کے وہ رقعہ اسے دے دیا۔ اور کہا۔

''تم اسے کسی طرح لفافے میں ڈال کر ڈاک میں ڈال دو۔ باہر یہ پتہ لکھوا لینا۔ میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔''

مگر اس بھنگن نے وہ خط ان لوگوں کو دے دیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ عذرا ایک لکھ پتی کی بہن ہے تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ انہوں نے اس روز عذرا کو مارا پیٹا بھی اور ساتھ ہی یہ کیا کہ ایک آدمی لاہور وحید کے پاس روانہ کر دیا۔ تاکہ وہ اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کرے۔ عذرا بے چاری مجبور ہو کر پلنگ پر پڑ گئی۔ اب کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اب صرف خدا کی ذات ہی اسے ان بدمعاشوں کے چنگل سے نجات دلوا سکتی تھی۔ اس نے گڑگڑا کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور دعا کی کہ وہ اسے اس مصیبت سے نجات دلوائے۔ اس رات وہ غسل خانے میں جانے کے لئے اٹھی۔ تو اس نے دیکھا کہ غسل خانے کا اوپر والا شیشہ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا ہے۔ اس نے میز پر کھڑے ہو کر شیشے میں سے باہر دیکھا۔ وہاں سے کھڑکی کی باہر والی چٹخنی قریب ہی تھی۔ عذرا نے دو انگلیاں ڈال کر چٹخنی کھولنے کی کوشش کی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد چٹخنی کھل گئی۔

عذرا نے آہستہ سے کھڑکی کو باہر کی طرف دھکیلا۔ کھڑکی کا ایک پٹ کھل گیا۔ عذرا کے چہرے پر تازہ ہوا لگی۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے اتنی بھی ضرورت نہ محسوس کی کہ وہ واپس کمرے میں جا کر اپنا پرس اور چادر اٹھا لے۔ اس نے کھڑکی کا ایک پٹ پورا کھول دیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ باہر کوٹھی کے لان کا عقبی حصہ ویران پڑا تھا۔ ابھی ابھی گھڑیال نے رات کا ایک بجایا تھا۔ صرف ساتھ والے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی اور ایک عورت اور ایک مرد کی تیز تیز باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

عذرا نے کھڑکی کے باہر ٹانگ نکال کر نیچے ایک اکھڑی ہوئی اینٹ کی جگہ جمائی۔ پھر دوسری ٹانگ بھی باہر نکالی اور آہستہ سے نیچے آ گئی۔ زمین کے ساتھ پاؤں لگتے ہی اس نے لان کی دیوار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ دیوار کوئی چار فٹ اونچی تھی۔ اس نے

دیوار کو جلدی سے پھلانگ لیا۔اور دوسری جانب سڑک پر آ کر ایک طرف تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔وہ رک گئی پھر ایک طرف مڑ گئی۔اور تیز تیز چلنے لگی۔اس نے آزاد ہو کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ایک چوک میں آ کر اس نے تیزی سے گزرتے ہوئے ایک خالی رکشا کو آواز دی۔

رکشا والا وہیں رک گیا۔

جب رکشے میں سوار ہونے لگی تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔کوئی نصف فرلانگ کے فاصلے پر وہی ریچھ نما آدمی پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا چلا آ رہا تھا۔عذرا دیوانوں کی طرح رکشا میں سوار ہو کر چلائی۔

''جلدی چلو۔جلدی۔''

کراچی کے رکشا والے جلدی کھڑے ہونے اور جلدی اٹھ دوڑنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔چنانچہ رکشا والے نے کلچ دبایا اور رکشا تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگا۔عذرا نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔وہ بدمعاش فٹ پاتھ پر کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔عذرا یہاں سے سیدھی اپنے ہوٹل میں آ گئی۔ہوٹل میں آ کر وہ اپنے کمرے میں آئی۔رکشا والے کو اس نے نیچے ہی کھڑا کیا۔کیونکہ اس کے پاس ایک بھی پیسہ نہیں تھا۔اوپر کمرے میں جا کر اس نے بیرے کو بلایا۔اسے اٹیچی کیس میں سے پانچ روپے نکال کر دیئے اور کہا۔

''رکشا والے کو دے دو۔''

اس کے بعد اس نے کمرہ بند کیا۔بتی گل کی اور پلنگ پر یوں گر پڑی جیسے کئی میل پیدل چل کر آ رہی ہو۔رات بھر اسے بالکل ہوش نہ رہا۔باقی ساری رات اس نے گہری نیند سو کر گزار دی۔صبح دس بجے اس کی آنکھ کھلی۔اس نے غسل کیا۔نئے کپڑے پہنے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا گال پر ابھی تک اس ظالم کی مار کے نشان تھے۔اس نے گھنٹی دبا کر بیرے کو بلایا اور ناشتہ کرنے لگی۔

''اب کیا ہوگا؟اب کہاں جایا جائے؟''

یہی ایک سوال تھا جو عذرا کے سامنے تھا اور جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔دوپہر کو وہ ٹیکسی میں سوار ہو کر بازار گئی۔وہ اپنے چہرے کے لئے کریم خریدنا چاہتی تھی۔ایک دکان میں وہ اندر جا کر کاؤنٹر کے پاس کھڑی ہو گئی۔کریم لے کر جب وہ باہر نکلی تو فٹ پاتھ پر کسی نے پیچھے سے آہستہ اور بڑی نرم آواز میں کہا۔

''محترمہ!''

عذرا کی روح فنا ہو گئی۔اسے یوں لگا جیسے وہی بدمعاش پھر وہاں آ گیا ہو۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔سامنے وہی سٹیشن والا بدشکل

اور میلے کپڑوں والا نوجوان کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر محبت اور ہمدردی کے آثار تھے۔عذرا کو اس وقت وہ چہرہ سارے شہر میں ایک ہی جانا پہچانا معلوم ہوا۔

اس کی جان میں جان آئی اس نے مسکرا کر کہا۔

''آپ ابھی کراچی میں ہیں؟''

''جی ہاں! پرسوں جا رہا ہوں۔''

عذرا کو اس نوجوان کے ساتھ چلتے ہوئے یوں لگا جیسے وہ اس دنیا میں اکیلی نہیں ہے۔اسے بڑا حوصلہ ہوا۔ایک طرح کا سہارا مل گیا۔اس نے اسے ساتھ لیا اور ایک ہوٹل میں چائے پینے آ گئی۔وہ نوجوان بڑا خوش ہو گیا تھا۔اس نے بتایا کہ اس کا نام محمود ہے اور وہ جالندھر کا رہنے والا ہے اور سیالکوٹ میں آباد ہو گیا ہے' بیوی مر چکی ہے اور صرف دو سال کا بچہ ہے جو اس کی والدہ کے پاس ہے۔

عذرا نے پوچھا۔''کیا واقعی میری شکل آپ کی بیوی سے ملتی ہے؟''

محمود نے مسکرا کر کہا۔

''اگر اتنی مشابہت نہ ہوتی تو میں کبھی آپ کی طرف دیکھنے اور آپ کو بلانے کی جرات نہ کرتا۔''

اس کے بعد محمود نے پوچھا کہ وہ کب تک کراچی میں ہیں۔تو عذرا نے کہا۔

''شاید ایک ہفتہ اور رہوں گی۔''

''کیا آپ اکیلی ہیں یہاں؟''

عذرا گھبرا گئی مگر فوراً بولی۔

''نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔میری ایک سہیلی بھی میرے ساتھ ہے۔''

جب وہ جدا ہونے لگے تو عذرا کو محمود نے کہا۔

''کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ کل بھی کسی وقت مجھے ملیں گی؟''

''اس کا فائدہ کیا ہوگا؟'' عذرا نے پوچھا۔

محمود نے کہا۔

''میں آج تک کسی دوست سے فائدے کے لئے نہیں ملا۔''

عذرا مسکرائی۔

''اچھا یہ بات ہے تو میں کل ضرور ملوں گی۔''

دوسرے روز عذرا پھر محمود سے ملنے گئی۔ عذرا ٹیکسی پر سوار ہو کر مارکیٹ میں آئی کیوں کہ محمود وہیں ایک گندی سی کوٹھری میں اپنے ایک دوست کے گھر مقیم تھا اس نے محمود کو ٹیکسی میں لیا اور دونوں الفنسٹن سٹریٹ میں ایک ہوٹل میں آ کر بیٹھ گئے۔

آج محمود نے گھر میں دھلی ہوئی قمیص اور پتلون پہن رکھی تھی۔ بالوں میں تیل بھی لگا ہوا تھا۔ کوئی گھنٹہ بھر وہ وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ عذرا نے محمود کو بتایا کہ وہ ایک غریب ہیڈ کلرک کی بیٹی ہے اور اپنی ایک سہیلی کے ساتھ کراچی کی سیر کرنے آئی ہے۔ محمود نے اس کی بات کا پورا یقین کر لیا اور ایک بار بھی نہ پوچھا کہ کہیں وہ جھوٹ تو نہیں بول رہی؟

لیکن عذرا بہت پریشان تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی سے اپنا غم بیان کر دے اور اس سے امداد کی طلب گار ہو۔ مگر اسے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی چوتھی ملاقات کے بعد عذرا نے محمود کو اپنا سارا حال بتا دیا۔ مگر اس نے یہ نہ بتایا کہ وہ کس کی بہن ہے اور کہاں رہتی ہے۔ محمود اس کی داستان سن کر حیران بھی ہوا اور غمگین بھی۔

عذرا نے اشکبار آنکھوں سے کہا۔

''میں کیا کر سکتی تھی۔ محبت میں مجبور ہو گئی تھی۔ اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ ڈاکٹروں نے علاج کرنے اور کیس لینے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے پاس صرف ایک سو روپیہ باقی رہ گیا ہے۔ سوچتی ہوں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کئی بار خودکشی کرنے کا ارادہ کیا مگر موت سے ڈرتی ہوں۔ مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ گھر والے غریب ہیں۔ دو سو روپے میں بھرے گھر کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس وقت میرا ہاتھ پکڑنے کو تیار نہیں۔ بھلا کسی کو کیا پڑی ہے کہ ایک گناہ کو اپنی گود میں پالے۔''

اتنا کہہ کر عذرا رونے لگی۔ وہ دونوں شہر سے باہر سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ سمندر کی لہریں کنارے پر آ کر واپس جا رہی تھیں۔ محمود کو عذرا کا حال سن کر بڑا دکھ ہوا۔ اس نے عذرا کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

''عذرا میں بھی کوئی امیر آدمی نہیں ہوں۔ غریب ہوں۔ صرف ڈیڑھ سو روپے تنخواہ لیتا ہوں۔ ایک ماں ہے ایک بچہ ہے۔ ہم تینوں اس قلیل تنخواہ میں گزارہ کرتے ہیں۔ مگر بڑے خوش ہیں۔ خدا کا شکر بجالاتے ہیں۔ پھر بھی اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں تم سے شادی کرنے پر تیار ہوں۔''

ایک بار تو عذرا کو یوں محسوس ہوا جیسے ناامیدی کے گہرے سیاہ بادلوں میں سے امید کی کرن چمک اٹھی ہو۔ اس کا چہرہ خوشی سے

مسکرانے لگا۔ پھر اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ محمود جیسے آدمی کے ساتھ باقی زندگی کس طرح گزار سکے گی؟ اس کے ساتھ ہی اس کی خاندانی شرافت نے غلبہ پالیا۔ اگر اس کے بھائی کی لاٹری نہ نکلتی تو آج وہ اسی قسم کے محنتی اور ایماندار شخص کی بیوی ہوتی اور اس کے پیٹ میں کسی کے گناہ کا بوجھ بھی نہ ہوتا۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ محمود سے شادی کرے گی۔ محمود اس وقت اس کے پاس نجات دلانے والا بن کر آیا ہے۔ اس نے محمود کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی محمود! میں شادی پر تیار ہوں لیکن مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ تم زندگی کے کسی بھی مرحلے پر مجھے گناہ کا طعنہ نہ دو گے۔''

محمود نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''کسی کو گناہ کا صرف وہی شخص طعنہ دے سکتا ہے جس نے خود کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ میں خود گناہ گار ہوں۔ اس کے علاوہ میری اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ مجھے تم جیسی پیاری اور غریب دل کی لڑکی مل جائے۔''

عذرا نے ایک دن ضائع کئے بغیر اسی روز محمود سے شادی کر لی۔ شادی بڑی سادگی سے محمود کے دوست کے گھر انجام پائی۔ عذرا نے ابھی تک اسے نہیں بتایا تھا کہ اس کے پاس کافی روپیہ ہے اور وہ ایک لکھ پتی بھائی کی اکلوتی بہن ہے۔ شادی کے بعد عذرا نے فیصلہ کیا وہ کراچی میں ایک ماہ تک ٹھہرے گی۔ محمود نے کہا۔

''لیکن عذرا میرے پاس تو واپسی کا کرایہ ہی رہ گیا ہے۔ بلکہ مجھے تو تمہارا کرایہ بھی اپنے دوست سے قرض لینا پڑے گا۔''

''اس کا انتظام ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔''

عذرا محمود کو ساتھ لے کر اس کے دوست کے گھر سے باہر نکلی۔ باہر آ کر اس نے ٹیکسی لی۔ محمود کو ایک خوبصورت دکان میں کھڑا کیا۔ خود ہوٹل میں گئی اپنے روپوں میں سے ایک ہزار روپیہ نکلوایا۔ پرس میں نوٹ رکھے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس اس دکان میں آ گئی جہاں محمود کچھ کچھ پریشان سا کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عذرا اسے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلی گئی ہے۔ عذرا ٹیکسی میں واپس آئی اور محمود نے آگے بڑھ کر کہا۔

''میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ عذرا خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل دیکھی۔''

دیکھو عذرا ہم بغیر پیسوں کے یہاں پریشان ہوں گے۔ میں آج ہی اپنے دوست سے قرض لیتا ہوں اور ہم واپس سیالکوٹ چلے جاتے ہیں۔ وہاں جا کر اپنے کارخانے والوں سے کچھ روپیہ پیشگی لے لوں گا اور اپنے دوست کا قرض بھی واپس کر دونگا۔''

عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے روپوں کا بندوبست کر لیا ہے۔''

محمود پریشان اور حیران ہوا۔ عذرا اسے ساتھ لے کر دکان میں آ گئی اندر جا کر اس نے محمود کے لئے تین بہترین سوٹ' قمیص رومال' ٹائیاں اور دوسرا سامان خریدا اپنے لئے ساڑھی خریدی۔ محمود حیران ہو رہا تھا کہ عذرا کیا کر رہی ہے۔ جب عذرا نے بل ادا کرنے کے لئے پرس کھولا اور محمود نے اندر دس روپے کے نوٹوں کا بنڈل دیکھا تو دم بخود ہو کر رہ گیا۔ اتنے پیسے اس نے صرف تنخواہ والے دن خزانچی کے دراز میں ہی دیکھے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ عذرا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور محمود کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عذرا نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے' جیسے اس نے غلط عورت سے شادی کر لی ہو۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر محمود خاموش ہو گیا۔ عذرا نے اسے بلانا چاہا تو اس نے بڑے اداس لہجے میں پوچھا۔

''عذرا تم میری بیوی ہی نہیں میری عزت کی محافظ بھی ہو۔ جس طرح میں تمہاری عزت کا محافظ ہوں مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہ روپے تم نے کہاں سے لئے ہیں۔''

عذرا مسکرا رہی تھی اور محمود مزید پریشان ہو رہا تھا۔

''دیکھو عذرا! مجھے صرف عزت چاہیے دولت نہیں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ میں ایک وقت کی روکھی سوکھی کھا کر بھی گزارہ کر سکتا ہوں۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔''

عذرا نے بات کاٹ دی۔

''ہوٹل چل کر تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔''

''ہوٹل؟''

''ہاں ہوٹل!''

''تو تم کسی ہوٹل میں رہتی ہو؟''

''ہاں میں ہوٹل میں رہتی ہوں۔''

محمود نے عذرا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تم کون ہو عذرا؟ کیا میں نے تم سے بیاہ کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تو نہیں کی؟''

عذرا نے مسکرا کر کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے محمود! یہ روپے حلال کی کمائی کے ہیں۔''

''ہوٹل چل کر بتاؤں گی۔''

جب محمود عذرا کے ساتھ ہوٹل میں آیا تو وہاں کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسے ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ عذرا اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ یہاں آ کر محمود اور زیادہ پریشان ہوا۔

عذرا نے کہا۔

''پہلے تم کپڑے بدل لو۔''

''مجھ پر یہ کپڑے حرام ہیں عذرا۔''

عذرا نے محمود کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم میرے سرتاج ہو محمود! مجھے تمہاری عزت اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت۔ میں نے زندگی میں صرف ایک قدم غلط اٹھایا تھا جس کا تمہیں بھی علم ہے اور جس کے لئے میں عمر بھر خدا سے معافی مانگتی رہوں گی۔ میں تمہیں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ میں تمہیں جو کچھ کہوں گی وہ حرف بہ حرف سچ ہوگا۔ اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو لو سنو!''

عذرا پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ محمود کو یوں لگا جیسے وہ کوئی فلم دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے صرف فلموں میں ہی اس قسم کی باتوں کو دیکھا تھا۔ عذرا نے اسے بتایا۔

''میں ایک غریب ہیڈ کلرک کی بیٹی نہیں ہوں۔''

''پھر؟ پھر کون ہو؟''

محمود نے حیرا سے پوچھا۔ عذرا نے کہا۔

''میں لاہور کے ایک بہت بڑے تاجر سیٹھ وحید کی بہن ہوں۔ جب مجھ پر یہ حادثہ گزرا تو میں نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ

زندگی سے بہت محبت کرتی ہوں۔اس لئے اس فیصلے پر عمل درآمد نہ کرسکی۔یہی سوچا کہ بھائی کے ہاں رہی تو وہ بدنام ہو جائے گا۔لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے۔اوراس کی شہر میں عزت ہے۔چنانچہ میں نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کرلیا۔میرے پاس اپنا ذاتی روپیہ کوئی بیس ہزار کے قریب جمع تھا۔میں نے وہ روپیہ بکس میں ڈالا اور بھائی کے نام ایک رقعہ لکھ کر وہاں سے بھاگ نکلی کراچی کی گاڑی میں سوار ہوئی اور یہاں آگئی۔راستے میں تم اسٹیشن پر ملے تم نے میری مدد کرنا چاہی۔مگر میں ہر آدمی سے ڈرتی تھی۔مجھے ہر آدمی انسانیت کے لبادے میں ایک بھیڑیا دکھائی دیتا تھا۔اس کے بعد کہانی تم ساری کی ساری جانتے ہو؟''

محمود ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ ایک لکھ پتی کی بہن کا شوہر ہے اور یہ کہ اس کی بیوی کے پاس اپنا ذاتی پندرہ بیس ہزار روپیہ موجود ہے۔وہ حیران ہو کر عذرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شاید تمہیں میری باتوں پر اعتبار نہیں آرہا۔مگر جب تم میرے ساتھ لاہور چلو گے تو تمہیں خودبخود یقین آجائے گا۔

اسی روز عذرا نے اپنے بھائی وحید کے نام ایک تار دیا۔تار میں لکھا کہ میں فلاں ہوٹل میں اپنے خاوند کے ساتھ مقیم ہوں۔

دوسرے روز ہی وحید ہوائی جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہنچ گیا۔ہوائی اڈے سے وہ سیدھا ہوٹل میں پہنچا۔عذرا کو دیکھ کر اس نے اسے سینے سے لگالیا۔اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اس کا ہاتھ چوما۔عذرا نے محمود کا تعارف کروایا۔اور ساری کہانی سنائی اور کہا کہ اس نے محمود سے بیاہ کرلیا ہے۔محمود اگرچہ غریب خاندان کا چشم وچراغ ہے مگر وہ نیک ہے اور ایماندار ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور اس نے اسے اس مصیبت میں سہارا دیا ہے۔محمود نے وحید سے ہاتھ ملایا۔وحید نے محمود کی طرف دیکھا اور خوش ہو کر کہا۔

''میں تم دونوں میاں بیوی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا ہوں۔اب تمہیں جلدی لاہور چلنا ہوگا تا کہ وہاں باقاعدہ رخصتی ہو۔میں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی بہن کی شادی کتنی دھوم دھام سے کی ہے۔''

اس روز وحید نے اپنی بہن اور اس کے خاوند کو ساتھ لے کر انہیں شہر کی خوب سیر کروائی۔انہیں بے شمار تحفے لے کر دیئے۔کافی روپیہ ان پر خرچ کردیا۔وہ بے حد خوش تھا۔اس کی بہن اسے واپس مل گئی ہے اور اس کے سر سے مصیبت بھی ٹل گئی ہے اور محمود نے ایک غریب محنتی مزدور نے اس کے گناہ کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔اگلے روز شام کو وحید نے ہوائی جہاز میں تین سیٹیں ریزرو کروائیں اور ان دونوں کو لے کر لاہور کی طرف روانہ ہوگیا۔

جس رات وحید اپنی بہن عذرا اور اس کے خاوند کو کراچی سے ہوائی جہاز میں بٹھا کر واپس لایا اسی شام نیلم نے نجم کو اپنے راستے

سے ہٹانے کا پروگرام پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور نجم کو اپنے ہوٹل کے ایک شاندار کمرے میں دعوت دی۔ وحید کا ہوائی جہاز ابھی کراچی کے ہوائی اڈے سے اڑا ہی تھا کہ نجم ادھر لاہور کے شاندار ہوٹل میں نیلم کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

انہوں نے تھوڑی تھوڑی شراب پی رکھی تھی اور نشے میں تھے۔ کمرے میں آ کر نیلم نے تمام کھڑکیوں کے پردے چھوڑ دیئے اور نجم کی طرف بانہیں پھیلا کر بولی۔

''میرے قریب آ جاؤ نجم!''

نجم نے نیلم کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور بے اختیار ہو کر اس کا منہ چوم کر بولا۔''آج مجھے یقین ہوا ہے کہ تم سچ مچ مجھ سے پیار کرتی ہو وحید سے نہیں۔''

نیلم نے کہا۔

''وحید تو میرے ہاتھ کی کٹھ پتلی ہے' بھلا وحید ایسا بے حس سرمایہ دار نیلم کی محبت کو حاصل کر سکتا ہے؟ وحید تو ایک گدھا ہے کمینہ ہے' بے حس ہے' جانور ہے۔ وہ تو صرف سونے کا بت ہے جس کو نیلم اپنے گرز کی ضربات سے گرا کر لوٹ لینا چاہتی ہے۔ محبت تو مجھے تم سے ہے نجم! تم سے اور صرف تم سے۔ میں تو پہلے ہی روز سے تم سے پیار کر رہی ہوں۔ اب میں شادی بھی تم سے ہی کروں گی۔''

نجم نے خوش ہو کر پوچھا۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو نیلم' کیا واقعی تم نے مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

نیلم نے نجم کا منہ چوم کر کہا۔''فیصلہ ہی نہیں بلکہ میں کل اس فیصلے پر عمل بھی کر رہی ہوں میں کل ہی تم سے شادی کر لوں گی۔''

نجم نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔

''لیکن اگر وحید کو علم ہو گیا تو کیا ہو گا؟''

نیلم نے ایک قہقہہ لگایا۔

''وحید کے باپ کو بھی اس کا علم نہیں ہو گا۔ ہم چھپ کر بیاہ کریں گے۔ اپنی عیاشی کے لئے بیاہ کریں گے۔ ایک دوسرے کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے بیاہ کریں گے۔ وحید کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہو گی۔ وہ تو کراچی گیا ہوا ہے۔ کاروبار کے سلسلے میں گیا ہے۔ کہتا تھا کراچی کی ایک فرم کا اچانک تار آ گیا ہے۔ ایک دن میں واپس آ جاؤں گا۔ لیکن ہمیں اس ریچھ سے کیا کام؟ ہم تو بس ایک دوسرے کے ہو کر رہیں گے۔ اور وحید کی دولت کو مل کر لوٹیں گے۔''

نجم نے کہا۔

"لیکن نیلم تم نے کوئی زیادہ ہاتھ نہیں مارا۔ بس یہی ایک لاکھ بنک والا ہی روپیہ تمہارے پاس ہے نا؟"

نیلم نے مسکرا کر کہا۔ "ایک لاکھ اور میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اور پھر وہ ایک کوٹھی بھی تو مجھے بنوا کر دے رہا ہے۔ یہ کوٹھی میرے نام کی ہوگی اور وہاں ہم دونوں مل کر رہیں گے۔"

"تم اس کے ساتھ شادی سے کیسے انکار کرسکوگی؟"

"انکار ایک لفظ میں کیا جا سکتا ہے۔ میں کہہ دوں گی میں نجم سے شادی شدہ ہوں۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے اور شادی شدہ عورت سے کوئی دوسرا مرد شادی کا مجاز نہیں۔"

نجم نے خوش ہو کر نیلم کا منہ چوم لیا۔

"خدا کی قسم تم اتنی عقلمند ہو کہ تمہارے سامنے اگر ارسطو بھی آ جائے گا تو گھٹنے ٹیک دے۔"

نیلم نے گلاس میں شراب انڈیل کر کہا۔

"لو اس خوشی میں میری صحت کا ایک جام پیو۔"

نجم نے گلاس لے کر حلق میں انڈیل لیا۔ اس کے بعد دونوں پلنگ پر لیٹ گئے اور ایک دوسرے سے طویل بوس و کنار میں مشغول ہو گئے۔ نیلم نہیں چاہتی تھی کہ نجم اس سے پیار کئے بغیر ہی اس دنیا میں پہنچ جائے۔ وہ اسے آخری بار جی بھر کر اپنے جسم اور خوبصورتی سے لذت یاب کر دینا چاہتی تھی۔

چنانچہ اس نے نجم کو پورا پورا موقع دیا کہ وہ اس کے بدن کی لذتوں کو جذب کر لے اچھی طرح جذب کر لے۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ یہ اس کا آخری موقع ہے۔ اس کے بعد قبر کی اندھیری رات ہوگی اور نجم کا بے جان جسم ہوگا۔ کوئی گھنٹے بھر بعد نیلم پلنگ پر سے اٹھی اور اس نے نجم سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہم مزید پئیں اور ایک بار پھر ایک دوسرے سے محبت کریں۔ جی بھر کر محبت کریں۔"

نجم نے مسکرا کر کہا۔

"اس سے زیادہ اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی ہے۔"

نجم نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ باہر دور شہر کی روشنیاں بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔ نیلم نے شراب کی بوتل میں شراب نکال کر

دونوں گلاسوں میں ڈال دی۔گلاس منہ در منہ بھر دیئے۔اس کے بعد اس نے چوری چوری نجم کی طرف دیکھا۔نجم کھڑکی کی سیل پر ہاتھ رکھے نیچے سڑک پر سے گزرتی کاروں کو دیکھ رہا تھا۔

نیلم نے کمال چابکدستی سے پرس میں سے زہر کی پڑیا نکالی اسے کھول کر سفید سفوف سا نجم کے گلاس میں ڈالا اور اسے چمچ سے اچھی طرح حل کر دیا۔اس نے اس کا گلاس پرے کھسکا کر رکھ دیا۔ویسے بھی اس نے نجم کے لئے ایسے گلاس کا انتخاب کیا تھا جس کا ایک کنارہ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا تھا۔

دونوں گلاس میز پر رکھ کر اس نے نجم کو آواز دی۔

''آؤ میری جان! تمہاری صحت کے دونوں جام تیار ہیں۔''

نجم نے وہیں سے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''پی لیں گے میری جان! ذرا ادھر آؤ تمہیں نئے ماڈل کی ایک کار دکھلاؤں۔دیکھو اس ماڈل کی کار پرسوں میں نے ایک گاہک کے پاس فروخت کی تھی اور مجھے پانچ ہزار کمیشن ملی تھی۔''

نیلم نے مسکرا کر کہا۔

''اور وہ کمیشن کہاں ہے؟''

''مل جائے گی تم ذرا کار تو دیکھو۔''

نیلم نے ایک نظر میز پر رکھے ہوئے گلاسوں کو دیکھا اور پھر کھڑکی کی طرف مسکراتی ہوئی آ گئی۔جب وہ نجم کی بانہوں میں بازو ڈال کر وہاں کھڑی ہوئی تو نجم نے کہا۔

''اوہو! گاڑی دوسری طرف جا کر رکی ہے۔آؤ دوسرے کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھتے ہیں۔خدا کی قسم لاجواب گاڑی ہے۔''

نیلم بے چین ہو رہی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ نجم اب جلدی سے زہریلی شراب کا گلاس پی لے اور وہ اس کام سے سبکدوش ہو جائے۔مگر نجم اسے گاڑی دکھانے پر مصر تھا۔مجبور ہو کر وہ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔دونوں دوسرے کمرے والی کھڑکی کھول کر کھڑے ہو گئے۔

ٹھیک اس وقت ہوٹل کا لالچی بیرا کمرے میں داخل ہوا۔یہ بیرا شراب کا رسیا تھا اور بے حد لالچی تھا اس کا کام ہی یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی کسی کی بچی ہوئی شراب دیکھتا فوراً اسے ہڑپ کر جاتا۔بچی ہوئی پیسٹریاں' کیک' مرغ اور شراب نوش جان کر جانا اس کا

خاص کام تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر جب دیکھا کہ کمرے میں کوئی شخص موجود نہیں اور میز پر دو گلاس شراب سے لبالب بھرے ہوئے پڑے ہیں۔ تو اس کے لالچ کی حس پھڑکنے لگی۔ اس نے فوراً جھک کر ایک گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ دو گھونٹ پی گیا۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ اس کے ہاتھ میں نیلم کا گلاس آیا تھا اور نجم کا گلاس میز پر اسی طرح پڑا تھا۔ لیکن جب لالچی بیرے نے یہ دیکھا کہ ایک گلاس کناروں سے نیچا ہو گیا ہے تو اس ڈر سے کہ کہیں مالکن کو علم نہ ہو جائے کہ اس نے شراب چوری کی تھی اس نے کیا کیا کہ نجم کا بھرا ہوا گلاس اٹھایا زہر ملی شراب اس میں سے تھوڑی سی نیلم کے گلاس میں انڈیل کر دونوں کو برابر کیا اور مسکراتا ہوا دبے پاؤں باہر نکل گیا۔ اب دونوں گلاسوں میں زہر مل چکا تھا۔ دونوں گلاس مہلک ہو گئے تھے۔

ادھر نیلم کا اضطراب بڑھنے لگا۔ اس نے نجم کے گلے سے لگ کر کہا۔

''جان من! چھوڑو بھی ان گاڑیوں کو آؤ نا۔ ادھر دوسرے کمرے میں شراب ہمارا انتظار کر رہی ہے۔''

نجم نے کہا۔

''چلو میری جان! چلو۔''

دوسرے کمرے میں آ کر دونوں شراب والی میز کے گرد کھڑے ہو گئے نیلم نے اپنا گلاس بڑے اطمینان سے اٹھا لیا اور کہا۔

''تم اپنا گلاس اٹھاؤ اور کل کی شادی کی خوشی میں میرا جام صحت تجویز کرو۔''

نجم نے بھی اپنا گلاس اٹھا لیا۔ دونوں نے گلاس ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ نیلم نے ایک پل کے لئے محسوس کیا جیسے گلاس میں شراب کم ہو گئی ہو۔ مگر اس نے کوئی زیادہ خیال نہ کیا۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی نشے میں تھی۔

''اپنی ہونے والی دلہن! نیلم کی صحت کا جام!''

''اپنے ہونے والے شوہر! نجم کا جام صحت!''

اور دونوں غٹاغٹ شراب پی گئے۔ جب دونوں نے گلاس ہونٹوں سے الگ کئے تو انہیں کچھ ذائقہ بدلا ہوا محسوس ہوا۔ سب سے بڑھ کر حیرانی نیلم کو ہوئی۔ کیوں کہ جب نجم نے شراب کے بدلے ہوئے ذائقے کی شکائت کی تو نیلم کو محسوس ہوا کہ اس کی شراب کا ذائقہ بھی بدلا ہوا تھا۔ لیکن اس نے زیادہ محسوس نہ کیا اور بولی۔

''میری جان! شراب تو کیا آج ساری دنیا بدلی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔''

تھوڑی دیر بعد نیلم کو بھی محسوس ہوا کہ واقعی ساری دنیا بدلنے لگی ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کمرے کی دیواریں چکر کھانے لگی

تھیں۔اس کا سر چکرانے لگا تھا۔یہی کچھ نجم کے ساتھ ہو رہا تھا۔

اس نے کہا۔

''میرا سر کیوں چکرا رہا ہے نیلم؟''

''شراب زیادہ پی گئے ہو۔''

''میرا حلق بھی خشک ہو رہا ہے نیلم!''

نیلم نے اپنا سر تھام لیا۔اس کا سر بھی بری طرح چکر کھا رہا تھا۔اس کا حلق بھی خشک ہو رہا تھا۔اس کی آنکھوں تلے بھی اندھیرا چھا رہا تھا۔اس نے گلے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

''میرا حلق بھی خشک ہو رہا ہے نجم!میری زبان پر بھی کانٹے پڑ رہے ہیں۔''

''یہ ہم نے کیا پی لیا ہے نیلم!یہ کیا چیز تھی؟''

نیلم نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

''تم نے زہر پی لیا ہے اور میں نے صرف شراب پی ہے۔''

''زہر؟زہر؟نجم نے گھبرا کر نیلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں زہر۔۔۔۔۔۔۔ایسا زہر جو ابھی تمہیں موت کی گہری نیند سلا دے گا۔''

نجم آگے بڑھنے لگا تو لڑکھڑا کر گر پڑا۔اس کے اندر زہر کی زیادہ مقدار جا چکی تھی۔چنانچہ اس کی حالت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔اس کے منہ سے جھاگ بہنے لگا۔نجم کو یقین ہو گیا کہ وہ مر رہا ہے۔

''یہ تم نے کیا کیا نیلم؟اب میری پانچ ہزار کی کمیشن کون لے گا؟تم نے مجھے زہر کیوں دے دیا؟''

نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''اس لئے کہ تم میرے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور نیلم کے راستے میں اگر پہاڑ بھی آ جائے تو وہ اسے ٹھوکر مار کر اڑا دینے کی عادی ہے اب تم مر جاؤ گے۔کل تم قبر میں پڑے ہو گے اور میں وحید کی دولت سے اکیلی کھیل رہی ہوں گی۔تم میرے دو لاکھ میں سے ایک پائی بھی وصول نہیں کر سکو گے۔اب میں اکیلی جائیداد کی مالک ہوں۔اکیلی لاکھوں کی مالک ہوں۔سارا سونا۔۔۔۔۔۔سارا روپیہ۔۔۔۔۔۔۔ساری کوٹھی میری ہو گی۔۔۔۔۔۔۔ہاہاہا۔۔۔۔۔۔۔''

نیلم نے بے اختیار قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی حالت بھی خراب ہونا شروع ہوگئی۔ اس کے ماتھے پر بھی ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس کا گلا بھی بند ہونے لگا اور ایک بار وہ بھی اس طرح لڑکھڑائی کہ فرش پر گر پڑی اور اٹھنے کی کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے نہ اٹھ سکی۔ اس کے جسم کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ ٹانگیں من من وزنی معلوم ہو رہی تھیں۔ منہ سے جھاگ بہہ نکلا تھا۔

نیلم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''نہیں نہیں، میں نہیں مر سکتی۔ میں نے زہر نہیں پیا۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں نے تو صرف نجم کے گلاس میں زہر ڈالا تھا۔ پھر میرا حلق کیوں بند ہو رہا ہے؟ میرے پاؤں کیوں مردہ ہو رہے ہیں؟ میرے منہ سے جھاگ کیوں بہ رہا ہے؟''

نجم نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اس لئے کہ برائی ہمیشہ برائی ہی سے ہلاک ہوتی ہے اور لوہے کو صرف لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ جس سانپ سے تم نے مجھے ڈسوانے کی کوشش کی تھی اس نے تمہیں بھی کاٹ لیا ہے۔ آج یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ برائی کا رشتہ بھی برائی کے ساتھ اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے جتنا محبت کا رشتہ محبت کے ساتھ مستحکم ہوتا ہے تم بھی اس دنیا میں کچھ نہ کر سکو گی۔ تم بھی میرے ساتھ ہی قبر میں جاؤ گی۔ میرے دل کو اس بات کی تسکین ہے کہ میں تمہیں بھی اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔''

نیلم بے ہوش ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں۔ اس نے کہا۔

''میرا جگر کٹ رہا ہے نجم۔''

نجم نے اپنے جگر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تمہارا دو لاکھ روپیہ بنک میں جمع ہے نیلم!''

''میں مر رہی ہوں۔''

''تمہاری نئی کوٹھی بن رہی ہے۔''

''میرا سانس! میرا سانس۔۔۔۔۔۔''

''تمہارا سونا۔ تمہارا سونا۔۔۔۔۔۔ تمہاری دولت۔۔۔۔۔۔''

''خدایا رحم کر۔''

''خدایا رحم کر۔''

ان دونوں کی زبان پر آخری بار اور زندگی میں پہلی بار خدا کا نام جاری ہو گیا۔ اس عظیم ہستی کا نام جو انسان کی تمام برائیوں کے باوجود اس سے محبت کرتی ہے اور اسے کبھی دکھ نہیں دیتی۔ جو برے اور اچھے دونوں کو سینے سے لگا لیتی ہے اور جس کا کام گناہوں کو بخش دینا ہے۔

کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد دونوں نجم اور نیلم کی لاشیں کمرے کے وسط میں پڑی تھیں۔ دونوں کے جسم سن ہو گئے تھے۔ ہونٹوں پر سے سبز رنگ کا جھاگ نکل کر ابھی تک بہ رہا تھا۔ چہرے کا رنگ سبزی مائل ہو گیا تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی طاری تھی۔ شراب کی بوتل زمین پر اوندھی پڑی تھی اور دونوں گلاس خالی ہو کر میز پر پڑے تھے جیسے دونوں لاشوں کی طرف حسرت سے اور خالی کالی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

اتنے میں دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ وہی بیرا نیا تولیہ لے کر کچھ گنگناتا ہوا اندر آیا۔ کیوں کہ اس نے تھوڑی سی پی رکھی تھی اور موڈ میں آ چکا تھا اندر آ کر جب اس نے دو لاشوں کو فرش پر پڑے دیکھا تو اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

''خون! خون! خون!''

سارے ہوٹل میں ''خون خون'' کا شور مچ گیا۔ اسی وقت پولیس آ گئی۔ پولیس نے دونوں لاشوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ہوٹل کا کمرہ مقفل کر دیا گیا۔

کوئی رات کے نو بجے وحید اپنی بہن عذرا اور محمود کے ساتھ لاہور پہنچا۔ کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد جب محمود نے عذرا کی اصلی شان و شوکت دیکھی تو حیران رہ گیا۔ وحید نے ان دونوں کو ان کے کمرے میں چھوڑا اور خود نیلم کو فون کرنے ساتھ والے کمرے میں آ گیا اسے خوشی ہو رہی تھی کہ عذرا واپس آ گئی ہے اور اس کی عزت بھی محفوظ ہو رہی ہے اور ان کا خاندان بدنام ہونے سے بچ گیا ہے۔

اس نے سوچا جب نیلم کو معلوم ہو گا تو اسے بھی کتنی خوشی ہو گی۔

نیلم کے کمرے کی گھنٹی بجتی رہی مگر کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔ پھر اس نے ہوٹل کے مینجر کو فون کیا تا کہ اس سے معلوم ہو سکے کہ نیلم کس وقت وہاں سے نکلی تھی۔ جب مینجر نے فون اٹھایا تو وحید نے پوچھا۔

''ہیلو! دیکھئے نیلم صاحبہ کس وقت گئی تھیں؟''

''کون نیلم جناب؟''

"کمرہ نمبر 521 والی خاتون!"

"جی، جی؟"

وحید کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ سے فون چھین لیا ہو۔ پھر ایک دوسری آواز نے وحید سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جی وہ کہہ گئی تھیں کہ پورے سوا نو بجے واپس آ رہی ہیں۔ آپ اگر سوا نو بجے آ جائیں تو انہیں مل سکیں گے۔ ویسے آپ اپنا نمبر بتا دیجئے ہم انہیں اطلاع کر دیں گے۔"

وحید نے اپنا نمبر بتایا اور فون بند کر دیا۔

دراصل ہوٹل میں اس وقت ایک کانسٹیبل بیٹھا تھا۔ جس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ معلوم کرے کہ نیلم کو کہاں کہاں سے فون آتا ہے۔ کانسٹیبل نے فون نمبر تھانیدار کو بتا دیا۔ تھانیدار نے وحید کا پتہ معلوم کیا اور ایک انسپکٹر کو ساتھ لے کر وحید کی کوٹھی میں آ گیا۔ وحید اس وقت کھانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے انسپکٹر اور تھانیدار کو باہر لان میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ جلدی سے باہر نکل کر انہیں بلایا۔ انہیں بڑے تپاک سے اندر لا کر بٹھایا اور پوچھا۔

"فرمایئے، کس طرح تکلیف کی آپ حضرات نے؟"

انسپکٹر نے کہا۔ "وحید صاحب آپ نیلم کو کب سے جانتے ہیں؟"

"کون نیلم؟"

"جس کو آپ نے ابھی ابھی فون کیا تھا۔"

"اچھا نیلم! جی ہاں کوئی دو تین سال سے جانتا ہوں، کیوں؟"

"آپ کے ساتھ اس کے کس قسم کے تعلقات تھے؟"

وحید نے صاف صاف بتا دیا۔

"تعلقات؟ میں تو اس سے شادی کرنے والا ہوں انسپکٹر صاحب" وحید نے ذرا شرما کر اور مسکرا کر کہا۔

"خوب خوب۔۔۔۔۔۔ اچھا یہ بتایئے کہ وہ آخری بار آپ کو کب ملی تھی؟"

وحید نے حیرانگی سے پوچھا۔

"مگر یہ تو بتایئے بات کیا ہے؟"

انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔

''بات یہ ہے کہ نیلم نے خودکشی کر لی ہے۔''

''خودکشی۔۔۔۔۔۔۔یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب!''

''جی ہاں خودکشی کر لی ہے اور اس کے ساتھ ایک اور جوان نے بھی خودکشی کی ہے۔اس کا نام نجم ہے۔''

''نجم؟''

''تو آپ نجم کو بھی جانتے ہیں؟''

''جی ہاں جانتا ہوں۔وہ نیلم کا کزن تھا۔''

کوئی گھنٹہ بھر بیٹھ کر تھانیدار نے تفتیش مکمل کی اور وحید کا شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔وحید تو حیران ہو کر رہ گیا کہ یہ کیا انقلاب آ گیا۔جب عذرا کو اس حادثے کا علم ہوا تو وہ بھی حیران رہ گئی۔مگر اب وہ کیا کر سکتے تھے سوائے افسوس کرنے کے۔

پولیس نے کیس رجسٹر کر لیا۔کوئی دو ماہ تک تفتیش ہوتی رہی مگر سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ انہوں نے خودکشی کر لی تھی۔ لالچی بیرے نے صرف یہی بیان دیا کہ دونوں لاشیں قالین پر پڑی تھیں۔اگر وہ کہیں یہ بتا دیتا کہ اس نے ایک میں سے گھونٹ پی کر دوسرے گلاس کی شراب پہلے والے گلاس میں انڈیل دی تھی تو شاید معمے کا حل نکل آتا۔مگر اس نے کسی کو یہ بات بالکل نہ بتائی اور نیلم اور نجم کی موت پر پردہ ہی پڑا رہا۔

وحید نے عذرا اور وحید کی شادی بڑے دھوم دھام سے کی۔دعوت دو روز تک جاری رہی۔اس دعوت میں اسلم اور رضیہ کو بھی مدعو کیا گیا۔شادی کے روز رضیہ نے وحید سے کہا۔

''عذرا کی شادی مبارک ہو۔''

وحید نے کہا۔

''میرے سر پر سے بہت بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔''

رضیہ نے اور کوئی بات نہ کی اور چپکے سے چلنے لگی۔وہ دونوں ایک الگ کمرے میں کھڑے تھے۔وحید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''رضیہ!کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔''

رضیہ نے سر جھکا لیا اور بولی۔

”آپ دولت والے ہیں ہم غریب لوگ ہیں۔آپ کا ہمارا کوئی میل نہیں ہو سکتا۔ہم تو سوکھی روٹی کھا کر خدا کا شکرادا کر کے سو جاتے ہیں۔آپ کا ہمارا کیا مقابلہ؟“

وحید نے رضیہ کا ہاتھ چوم لیا۔

”ایسا نہ کہو رضیہ!میں بھی غریب ہوں‘بہت غریب۔تم نہیں جانتیں کہ اس دولت نے مجھ پر کیا کیا ستم نہیں ڈھائے۔یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔میں تمہیں صرف اتنا کہوں گا کہ مجھے اس وقت تمہاری۔۔۔۔۔۔تمہاری جیسی ایک نیک دل اور وفا شعار لڑکی کی سخت ضرورت ہے۔اگر تم نے مجھ سے اپنا دامن چھڑا لیا تو میں اس دنیا میں کہیں نہ رہوں گا۔میرے لئے زندگی ایک اذیت ناک عذاب سے کم نہیں ہوگی۔“

رضیہ نے وحید کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور اداس لہجے میں بولی۔

”کیا تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو وحید؟“

”اپنی زندگی سے بڑھ کر تمہیں چاہتا ہوں رضیہ!“

”پھر تم نے مجھ سے کبھی ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟“

”میں تمہیں ایسے لوگ بھی بتا سکتا ہوں جو دن میں چھ چھ بار ملتے رہتے ہیں مگر ایک دوسرے سے ذرا سا بھی انس نہیں رکھتے۔رضیہ!صرف ملنے سے محبت کا ثبوت نہیں ملا کرتا۔میں اگر کاروبار میں اتنا مصروف نہ ہوتا تو میں تمہیں دن میں کئی کئی بار ملا کرتا۔لیکن چھوڑو ان باتوں کو۔حقیقت یہ ہے کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔اسی طرح جس طرح پہلے روز کرتا تھا۔جب راتوں کو چھپ چھپ کر میں تمہیں کوٹھے پر ملنے آیا کرتا تھا۔“

رضیہ نے آہستہ سے کہا۔

”سچ کہتے ہو وحید؟“

”میں نے اس سے زیادہ اپنی زندگی میں کبھی سچ نہیں بولا رضیہ۔“

رضیہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین نہیں آرہا۔“

وحید نے کہا۔

''تو پھر آج رات میں ملنے آؤں گا۔''

اس رات وحید نے گاڑی باہر نکالی۔اس میں سوار ہو کر سیدھا اپنے پرانے مکان میں گیا۔گیارہ بجے تک وہاں چارپائی پر لیٹا سگریٹ پھونکتا رہا۔پورے بارہ بجے اس نے آنگن والی کھڑکی پر دستک دی۔دوسری طرف سے بھی رضیہ نے ٹھک ٹھک کر کے جواب دیا۔

دونوں مکان کی چھت پر آ ملے۔وحید نے اوپر آتے ہی رضیہ کو گلے سے لگا لیا۔رضیہ وحید سے لپٹ گئی۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے کہا۔

''وحید میرا کہا مانو!خدا کے لئے اس پرانے مکان میں آ جاؤ۔تم پھر روز شام کو بیٹھ کر چائے پیا کرو۔میں تمہارے لئے چائے بنایا کروں گی وحید!پھر زندگی کتنی خوشگوار ہو گی۔''

وحید نے رضیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے رضیہ!مگر زندگی گزارنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔انسان کو ہر ماحول میں رہ کر زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ سیکھنے چاہئیں۔اب میں ان گلیوں میں واپس نہیں آ سکتا رضیہ!اب میری کچھ اور ذمہ داریاں ہیں۔میرے اداروں میں کوئی دو ہزار آدمی روزی کما رہے ہیں اور اپنے بچوں کو پال رہے ہیں۔میں اگر چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا رضیہ!ہاں تم میرے پاس آ جاؤ۔میں تمہیں بھی یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

''وہ کیسے؟''رضیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''شادی کر کے''

اس کے ساتھ ہی وحید نے رضیہ کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔رضیہ نے حیا سے اپنا چہرہ جھکا لیا اور وحید کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔اس وقت اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو لرز رہے تھے۔چاند آسمان کے وسط میں چمک رہا تھا اور گرمیوں کے آخری خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔

